اِس شمارے میں

نورِ ہدایت	تنگ دست مقروض کو مہلت دینا		۵
نظر وفکر	شب خیزی اور تہجد گذاری	محمد سلمان منصور پوری	۶
درسِ حدیث	خونِ ناحق سے بچئے!	مولانا اشہد رشیدی صاحب	۱۱
افاداتِ قرآنیہ	افادات سورۂ ''تحریم''	حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ	۱۷
مقالات ومضامین	حب الوطنی کا اِسلامی معیار.....	مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی	۲۲
	قربانی؛ ایک عظیم عبادت	مولانا مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی	۲۶
	اللہ کی عظیم نعمتوں پر شکر بجالایئے!	مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی	۳۴
	مقامِ ابراہیم؛ تاریخی وشرعی حیثیت	مولانا محمد تبریز عالم قاسمی	۳۸
	پیغمبر اسلام ﷺ سے غلط فہمیوں کے اسباب	مولانا شاہ عالم گورکھپوری	۴۷
شعروادب	کلامِ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ	ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی	۵۲
کتاب المسائل	اِیلاء کے مسائل	مفتی محمد سلمان منصور پوری	۵۶
منظومات	غرض ہم کو نہیں اس سے عدو.....	ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی	۲۵
ذکرِ رفتگاں	زندگانی تھی تیری مہتاب سے بالاتر	مولانا محمد نجیب الرحمٰن ندوی	۶۱
وفیات	حضرت الحاج قاری محمد صالح صاحبؒ	قاری نجیب الرحمٰن بھاگلپوری	۶۶
جامعہ کے شب وروز	مہتمم جامعہ کے اسفار، واردین وصادرین، وفیات		۶۷

نورِ ہدایت:

تنگ دست مقروض کو مہلت دینا

اِرشادِ ربانی: وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ، وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (البقرۃ: ۲۸۰)

ترجمہ: ''اور اگر وہ (مقروض) تنگ دست ہو تو اُسے وسعت کے زمانہ تک مہلت دینی چاہئے۔ اور اگر تم (آگے بڑھ کر ایسے محتاج شخص کا قرض) بالکل معاف کردو تو یہ تمہارے لئے اور بہتر ہے اگر تم کو سمجھ ہو''۔

گذشتہ آیات میں سودی قرض کی واپسی کا مضمون چل رہا ہے، اسی کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ اخلاقی تعلیم دی جارہی ہے کہ اگر مقروض شخص تنگ دست ہو تو اس پر زور زبردستی کرنے کے بجائے اسے مہلت دینی چاہئے؛ تاآں کہ وہ وسعت کے بعد قرض سے سبک دوشی حاصل کرسکے، اور اگر ایسے مفلس شخص کا قرض بالکل ہی معاف کردیا جائے تو کیا ہی کہنا؟ تنگ دست شخص کو مہلت دینے اور معاف کردینے کے متعلق احادیثِ شریفہ میں بھی بکثرت فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً:

(۱) سیدنا حضرت ابواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اسے میدانِ حشر میں اللہ کا سایہ ملے جب کہ اس کے سایہ کے علاوہ کسی کا سایہ نہ ہوگا، تو اُسے چاہئے کہ تنگ دست شخص کو مہلت دے یا اس کا قرض (پورا یا کچھ حصہ) معاف کردے''۔ اِسی مضمون کی روایت حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۲۱۹ دارالسلام ریاض)

(۲) سیدنا حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''ایک شخص قیامت میں بارگاہِ خداوندی میں پیش کیا جائے گا، اُس سے سوال ہوگا کہ تو نے دنیا میں کیا عمل کیا؟ تو وہ عرض کرے گا کہ ویسے تو میرے پاس کوئی قابل ذکر عمل نہیں ہے؛ البتہ میں ایک تاجر تھا اور میں نے اپنے کارندوں کو یہ ہدایت کررکھی تھی کہ ''تنگ دست مقروض کے ساتھ نرمی اور مہلت کا معاملہ کیا کریں'' تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: ''میں نرمی کرنے کا زیادہ حق دار ہوں'' اور اُس کو جنت میں داخلہ کا حکم دے دیں گے''۔

(۳) سیدنا حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''مہلت دینے والے شخص کو قرض کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہر دن قرض کی پوری رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اور اگر قرض کی مدت گذرنے پر بھی مہلت دے گا، تو اب ہر دن قرض کی رقم کی دگنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا''۔

(۴) سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''جو شخص یہ چاہے کہ اُس کی دعائیں قبول ہوں اور پریشانیاں دور ہوں، تو اُسے تنگ دست کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا چاہئے''۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۲۲۰ دارالسلام ریاض، معارف القرآن وغیرہ)

اِن روایات سے معلوم ہوا کہ تنگ دست شخص کو مہلت دینا اور اُس کے بوجھ کو ہلکا کرنا بہت بڑے اَجر وثواب کی بات ہے۔ وسعت والے لوگوں کو اس کا اہتمام رکھنا چاہئے۔ ❐❐❐

نظر وفکر

رحمٰن کے خاص بندے اور اُن کی صفات (۵)

محمد سلمان منصور پوری
Mansoorpuri
@gmail.com

شب خیزی وتہجد گذاری

آخری شب میں رحمتوں کی بارش

(۶) متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ روایت مروی ہے کہ ہر رات اللہ تبارک وتعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں، اور جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے:

هَلْ مِنْ تَائِبٍ فَأَتُوبُ عَلَيْهِ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ؟ هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَيُعْطىٰ سُؤْلَهُ حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ. (تفسير ابن كثير مكمل ص: ١٢٦٣ دار السلام رياض)

ہے کوئی توبہ کرنے والا جس کی میں توبہ قبول کروں؟ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا جس کو میں مغفرت سے نوازوں؟ ہے کوئی سائل جس کی مراد پوری کی جائے؟ اور یہ اعلان صبح صادق تک ہوتا رہتا ہے۔

(۷) سیدنا حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ الآخِرِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ. (رواه الترمذي رقم: ٣٥٧٩، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٩٤٠)

ربُ العالمین بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری حصہ میں ہوتے ہیں، پس اگر تم سے یہ ہوسکے کہ تم اُس وقت میں اللہ کے ذکر کرنے والوں میں ہو تو ایسا ضرور کرلیا کرو۔

(۸) سیدنا حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: ''میری اُمت کا کوئی شخص جب رات میں اُٹھ کر وضو کی تیاری کرتا ہے اور اُس پر گرہیں لگی ہوئی ہوتی ہیں، تو جب ہاتھ دھوتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، اور جب چہرہ دھوتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، اور جب سر پر مسح کرتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے، اور جب پاؤں دھوتا ہے تو چوتھی گرہ کھل جاتی ہے''، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں:

اُنْظُرُوْا إِلىٰ عَبْدِيْ هٰذَا يُعَالِجُ نَفْسَهُ وَيَسْئَلُنِيْ مَا سَأَلَنِيْ عَبْدِيْ هٰذَا فَهُوَ لَهُ.
(رواه أحمد، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٩٤٤)

میرے اِس بندے کو دیکھو، یہ اپنے نفس کو مشقت میں ڈال کر مجھ سے سوال کر رہا ہے، اور میرا یہ بندہ جو کچھ بھی مجھ سے مانگ رہا ہے وہ اُسے ملے گا۔

اِن روایات سے معلوم ہوا کہ رات کا آخری حصہ دعاؤں کی قبولیت اور رحمتِ خداوندی کے نزول کا خاص وقت ہے۔

میاں بیوی کا ایک دوسرے کو تہجد کے لئے اُٹھانا

(۹) شریعت یہ چاہتی ہے کہ مسلمانوں کے گھروں کا ماحول تہجد گذاری والا ہو کہ اگر شوہر اُٹھ جائے تو وہ بیوی کو جگادے اور بیوی اُٹھ جائے تو شوہر کو جگادے، چناں چہ سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلاً قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى، وَأَيْقَظَ اِمْرَأَتَهُ، فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِيْ وَجْهِهِ الْمَاءَ، وَرَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ، وَأَيْقَظَتْ زَوْجَهَا، فَإِنْ أَبىٰ نَضَحَتْ فِيْ وَجْهِهِ الْمَاءَ.
(سنن أبي داؤد رقم: ١٣٠٨، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٩٢٧)

اللہ تعالیٰ اُس شخص پر رحم فرمائیں جو رات میں نماز کے لئے خود اُٹھے اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کرے، اگر وہ بیوی اُٹھنے سے انکار کرے تو اُس کے چہرے پر پانی کا چھینٹا مارے، اور اللہ تعالیٰ ایسی عورت پر بھی رحم فرمائے جو خود رات میں اُٹھ کر نماز پڑھے اور اپنے شوہر کو بھی اُٹھائے، اگر شوہر نہ اٹھے تو اُس کے چہرے پر پانی چھڑکے۔

واضح ہو کہ یہ حکم اُس وقت ہے جب کہ میاں بیوی کے درمیان ایسی بے تکلفی اور ہم مزاجی ہو کہ سوتے ہوئے پانی چھڑکنے سے ناگواری نہ ہو۔ اور اگر ناگواری کی صورت ہو تو اِس میں احتیاط برتی جائے گی؛ کیوں کہ اِس میں مزید مفاسد پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔

مؤمن کے لئے نماز تہجد موجبِ عز و شرف ہے

(۱۰) سیدنا حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، اور فرمایا:

يَا مُحَمَّدُ! عِشْ مَا شِئْتَ، فَإِنَّكَ مَيِّتٌ وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ؛ فَإِنَّكَ مَجْزِيٌّ بِهِ، وَاحْبِبْ مَنْ شِئْتَ؛ فَإِنَّكَ مُفَارِقُهُ، وَاعْلَمْ أَنَّ شَرَفَ الْمُؤْمِنِ قِيَامُ اللَّيْلِ، وَعِزَّهُ اسْتِغْنَاؤُهُ عَنِ النَّاسِ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٩٣٦)

اے محمد! آپ جتنے دن بھی دنیا میں رہیں، بالآخر یہاں سے آپ کو پردہ فرمانا ہے، اور آپ جو چاہیں عمل کریں اُس کا آپ کو بدلہ مل کر رہے گا، اور آپ جس سے چاہیں محبت کریں، مگر آپ اُس سے جدا ہوکر رہیں گے۔ اور یہ بات اچھی طرح جان لیجئے کہ مؤمن کی شرافت رات کی عبادت میں ہے، اور اُس کی عزت لوگوں سے مستغنی رہنے میں ہے۔

(۱۱) سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَشْرَافُ أُمَّتِي حَمَلَةُ الْقُرْآنِ وَأَصْحَابُ اللَّيْلِ. (شعب الإيمان للبيهقي رقم: ٢٧٠٣، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٩٣٧)

میری اُمت کے شرفاء قرآنِ کریم کے حاملین اور راتوں کے عبادت گذار لوگ ہیں۔

(۱۲) سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَضْلُ صَلاَةِ اللَّيْلِ عَلىٰ صَلاَةِ النَّهَارِ كَفَضْلِ صَدَقَةِ السِّرِّ عَلىٰ صَدَقَةِ الْعَلاَنِيَةِ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٩٣٠)

رات کی نماز کی فضیلت دن کی نماز پر ایسی ہے جیسے خفیہ صدقہ کی فضیلت علانیہ صدقہ کے اوپر۔

اِس لئے ہر مؤمن کو چاہئے کہ وہ تہجد گذاروں میں شامل ہونے کی کوشش کرے، اور غفلت والی زندگی کو چھوڑ دے۔

رات کی غفلت شیطان کے اثر سے ہوتی ہے

شیطان پر انسان کا رات میں عبادت کرنا سب سے گراں گذرتا ہے، اِسی لئے اُس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ آدمی تہجد میں نہ اُٹھ سکے۔ چناں چہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''شیطان سوتے وقت تم میں سے ہر آدمی کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے، اور ہر گرہ پر یہ جملہ پڑھ کر پھونک دیتا ہے: ''ابھی

رات لمبی ہے سو جاؤ'' پھر جب آدمی بیدار ہوتا اور اللہ کا ذکر کرتا ہے، تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے، اور آدمی بالکل چاق وچوبند اور ہشاش بشاش ہوجاتا ہے۔ اور اگر رات بھر سوتا ہی رہے تو صبح اِس حال میں کرتا ہے کہ طبعیت میں انقباض ہوتا ہے اور بدن پر سستی ہٹ طاری ہوتی ہے''۔ (رواہ البخاری ومسلم، الترغیب والترہیب مکمل رقم: ۹۶۲)

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ایک شخص کا ذکر ہوا جو رات بھر سوتا رہا، اور نماز کے لئے نہیں اُٹھا، تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''اُس کے کان میں شیطان نے پیشاب کردیا ہے''۔ (بخاری شریف حدیث: ۱۱۴۴)

شیطان کے پیشاب کردینے کے معنی کے بارے میں شارحین نے درج ذیل اقوال نقل فرمائے ہیں:

الف:- بعض حضرات نے فرمایا کہ اِس سے حقیقی معنی مراد ہیں، یعنی حقیقت میں شیطان کا پیشاب کردینا مستبعد نہیں ہے، گو کہ وہ انسان کو محسوس نہ ہو۔

ب:- بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ شیطان کی طرف سے کان بند کرنے سے کنایہ ہے؛ تاکہ وہ ذکر کی آواز نہ سن سکے۔

ج:- بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ اِس بات سے تعبیر ہے کہ شیطان اُس پر حاوی رہا اور اُس کو ایسا ذلیل کیا، گویا کہ اُسے پیشاب گھر بنادیا۔

د:- بعض حضرات نے فرمایا کہ اہل عرب کے محاورہ میں کسی چیز کو فاسد کرنے کی تعبیر اُس پر پیشاب کرنے سے کرتے ہیں، گویا کہ شیطان نے اُس کے کان بالکل پٹ کردئے، جس کی وجہ سے وہ بیدار نہ ہوسکا۔

اور علامہ طیبیؒ نے فرمایا کہ عموماً آدمی کے بیدار ہونے کا سبب کان پڑی آوازیں ہوتی ہیں، اِس لئے آنکھ کے بجائے کان میں پیشاب کرنے کی تعبیر زیادہ اقرب الی الفہم ہے۔ گویا کہ پیشاب کان کے راستہ سے پورے بدن میں پھیل جاتا ہے اور آدمی کو سست بنادیتا ہے۔ (مستفاد وتلخیص: فتح الباری شرح صحیح البخاری، للحافظ ابن حجر العسقلانیؒ ۳/۳۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ سستی سے دور رہے، اور رات میں کچھ نہ کچھ عبادت ضرور کرے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن ابی قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انہیں نصیحت فرمائی کہ رات کی عبادت کو مت چھوڑنا؛ اِس لئے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اِس کو کبھی نہ چھوڑتے تھے، حتیٰ کہ اگر بیماری یا تھکاوٹ ہوتی تو بیٹھ کر نماز ادا فرماتے تھے۔ (سنن ابی داؤد رقم: ۱۳۰۷، الترغیب والترہیب مکمل رقم: ۹۴۶)

سیدنا حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم کو حکم دیا کرتے تھے کہ: ''رات میں تھوڑی یا زیادہ کچھ نہ کچھ نماز ضرور پڑھا کریں، اور سب سے اخیر میں وتر کی نماز ادا کریں''۔ (رواہ الطبرانی، الترغیب والترہیب مکمل رقم: ۹۳۱)

سونے سے قبل نوافل کا اہتمام

بلاشبہ تہجد کا کامل ثواب آخری شب میں نماز پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے؛ لیکن اگر کسی شخص کے لئے اخیر شب میں اُٹھنا دشوار ہو، تو سونے سے پہلے یا عشاء کی نماز کے بعد کچھ رکعات تہجد کی نیت سے پڑھ لے، تو اُمید ہے کہ وہ تہجد کے ثواب سے بالکل محروم نہ رہے گا۔ اِس کی تائید اِس روایت سے ہوتی ہے جو سیدنا حضرت ایاس بن معاویہ مزنی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاَ بُدَّ مِنْ صَلاَةٍ بِلَيْلٍ وَلَوْ حَلْبَ شَاةٍ، وَمَا كَانَ بَعْدَ صَلاَةِ الْعِشَاءِ فَهُوَ مِنَ اللَّيْلِ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ۹۳۳)

رات میں نماز ضرور پڑھنی چاہئے، اگرچہ بکری کے دودھ دوہنے کے وقت کے برابر کیوں نہ ہو، اور نماز عشاء کے بعد جو بھی نماز پڑھی جائے گی وہ رات کی نماز میں شمار ہوگی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اِس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں: وهٰذا يفيد أن هٰذه السنة تحصل بالتنفل بعد صلاة العشاء قبل النوم. (شامي ٤٦٧/٢ زكريا) یعنی اِس روایت سے یہ پتہ چلا کہ تہجد کی سنت عشاء کے بعد سونے سے پہلے نفل نماز پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے گی۔

بریں بنا اگر اخیر شب میں موقع نہ ہو تو سونے سے قبل تہجد کی نیت سے کچھ نوافل پڑھ لینے چاہئیں۔

❍❖❍

درسِ حدیث:

خونِ ناحق سے بچئے!

حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ. (متفق علیہ، مشکوۃ المصابیح ۲۹۹)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نبی کریم علیہ السلام کا یہ فرمان مروی ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے فیصلہ خون کا ہوگا (حقوق العباد میں سے سب سے پہلے فیصلہ خون ناحق کا ہوگا)۔

تشریح: نبی کریم علیہ السلام امت کو دنیا وآخرت کی تباہی اور ناکامی سے بچنے کی راہ زندگی بھر دکھاتے رہے، کبھی اعمالِ صالحہ کی تلقین کرتے، نیکیوں پر ابھارتے اور کبھی بداخلاقی، بدکرداری اور برے اقوال وافعال سے امت کو دور رہنے کی تاکید فرماتے، تاکہ کسی طرح آپ کے نام لیوا دونوں جہاں کی ذلت ورسوائی سے بچ جائیں اور میدانِ محشر کی ہولناکیوں سے محفوظ ہوجائیں۔ مذکورہ روایت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس میں نبی کریم علیہ السلام امت کو خونِ ناحق سے دور رہنے اور بچنے کی نصیحت فرمارہے ہیں اور یہ وضاحت کررہے ہیں کہ کل قیامت کے دن میدانِ محشر میں جب حقوق العباد کے سلسلہ میں انسانوں کے درمیان فیصلے کا وقت آئے گا تو سب سے پہلے خونِ ناحق کا فیصلہ ہوگا۔ عبادات اور دیگر اعمال خیر کے اجر وثواب سے قبل اللہ رب العزت فرشتوں کو حکم دے گا کہ دیکھو میرے بندہ کے دامن اور ہاتھوں پر خون ناحق کے چھینٹے تو نہیں ہیں، اگر نہیں ہیں تو اُس کی نیکیاں ضرور قبول ہوں گی اور رب ذوالجلال اپنے فضل وکرم سے اس کے گناہوں کو معاف کرکے رحمت ومغفرت کے دروازے کھول دے گا؛ لیکن اگر اس کے ہاتھ خون ناحق سے سنے ہوئے ہوں گے تو نہ اس کی کوئی نیکی قبول ہوگی اور نہ کوئی گناہ معاف ہوگا، گویا یہ ایک ایسا گناہ ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے انسان رب کائنات کی رحمت ومغفرت سے محروم ہی رہے گا۔

خونِ ناحق کی تین شکلیں ہیں

خونِ ناحق کی پہلی شکل یہ ہے کہ انسان ناحق طور پر کسی کا قتل کردے، خواہ خود کرے یا سپاری دے کر

کسی پیشہ ور قاتل کے ذریعہ کرائے، جیسا کہ آج کل کے سفید پوش بڑی خاموشی اور مہارت سے کرتے ہیں اور اس بات پر بہت فرحاں ونازاں رہتے ہیں کہ ہمارے زرق برق دامن پر کوئی دھبا نہیں لگا ہے، مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ انسانوں کی نظروں سے پوشیدہ خونِ ناحق کے چھینٹے رب ذوالجلال کی نظروں سے نہیں چھپ سکتے ہیں، اس کے یہاں جب پکڑ ہوگی تو بھاگنے کے سارے راستے بند ہوجائیں گے۔ نبی کریم علیہ السلام کسی مؤمن کے قتل کو دنیا ومافیہا کی تباہی وبربادی سے زیادہ سخت اور تباہ کن قرار دیتے ہوئے ایک روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ قتل مؤمن کے مقابلے میں خدا کے نزدیک دنیا کا زوال ہلکا اور سہل ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ. (رواه الترمذي، مشكوة: ۳۰۰)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نبی کریم علیہ السلام کا یہ فرمان مروی ہے کہ دنیا کا زوال اور اس کا ختم ہوجانا یہ اللہ رب العزت پر زیادہ آسان ہے مسلمان کے قتل ناحق سے۔

مسلم معاشرہ میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر قتل وقتال بڑھتا جارہا ہے، جائیداد اور سیاسی اختلافات اس کا سب سے بڑا سبب بن رہے ہیں، بددینی اتنی عام ہوگئی ہے کہ اپنے مخالف کا قتل عیب نہیں رہ گیا ہے؛ بلکہ اس کو حق بجانب سمجھا جاتا ہے اور مختلف دلائل دئے جاتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ اس نے ہماری زمین ہڑپ لی تھی، کوئی کہتا ہے کہ اس نے ہماری بے عزتی کی تھی اور کوئی کہتا ہے کہ یہ ہماری سیاسی ترقی میں رکاوٹ بن رہا تھا؛ اس لئے اس کو راستہ سے ہٹادیا گیا، کیا اسلامی نقطۂ نظر سے مذکورہ وجوہات کی بنیاد پر کسی کا قتل کیا جاسکتا ہے؟

ایک روایت میں نبی کریم علیہ السلام قتل مسلم کے صرف تین اسباب ذکر فرماتے ہیں، گویا ان ہی تین طرح کے اسباب میں سے کسی سبب کی بنا پر کسی مسلمان کو شرعی اصول کے دائرہ میں رہ کر قتل کیا جاتا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلٰثٍ: اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّيِّبُ الزَّانِيْ، وَالْمَارِقُ لِدِيْنِهِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ. (متفق عليه، مشكوة: ۲۹۹)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ نہیں حلال ہے کسی مسلمان کا خون جو خدا کے ایک ہونے اور میرے نبی برحق ہونے کی گواہی دیتا ہو، مگر تین باتوں میں سے کسی ایک کے پیش آنے کی صورت میں: (۱) اس نے کسی کو ناحق قتل کیا ہو (۲) شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کیا ہو (۳) مرتد ہوکر دائرہ اسلام سے نکل گیا ہو۔

گویا ان تینوں باتوں کے علاوہ کسی مسلمان کو محض عناد، دشمنی اور لالچ کی وجہ سے قتل کرنا حرام وناجائز ہے اور نہایت برا اور بھیانک گناہ ہے۔

نوٹ:- حدود وقصاص کے نفاذ کے لئے اسلامی حکومت کا ہونا ضروری ہے۔

ایک روایت میں نبی کریم علیہ السلام قتل ناحق کو روئے زمین کا بدترین اور عظیم جرم قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: کہ اگر کسی ایک مؤمن کے ناحق قتل میں زمین وآسمان کے تمام لوگ شریک ہوں تو رب ذوالجلال سزا کے طور پر ان تمام کو جہنم میں جھونک دے گا۔ ارشاد نبویؐ ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيْدٍؓ وَأَبِي هُرَيْرَةَؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ اِشْتَرَكُوْا فِيْ دَمِ مُؤْمِنٍ لَأَكَبَّهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ. (رواه الترمذي، مشكوة: ۳۰۰)

حضرت ابوسعید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے نبی کریم علیہ السلام کا یہ فرمان منقول ہے کہ اگر زمین وآسمان کے تمام لوگ ایک مؤمن کے قتل ناحق میں شریک ہوں گے تو اللہ رب العزت ان سب کو جہنم میں جھونک دے گا۔

آج کل بے گناہوں کا قتل سماج میں ناسور کی طرح پھیل گیا ہے، ہر روز اخبار میں اس طرح کی خبریں نظروں سے گذرتی رہتی ہیں، ایسا لگتا ہے کہ مسلمان کے قلب ودماغ سے اس کی برائی نکل گئی ہے، حالانکہ یہ وہ گناہ ہے جس کی معافی کے سارے دروازے بند ہیں، چنانچہ ایک جگہ نبی کریم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دو گناہوں کے علاوہ ہر گناہ معاف ہوسکتا ہے: (۱) شرک کا گناہ، یعنی جو مشرک ہونے کی حالت میں دنیا سے جائے گا، اس کی مغفرت نہ ہوگی۔ (۲) اسی طرح جس نے کسی مؤمن کو ناحق جان بوجھ کر قتل کیا ہو، اس کا گناہ بھی معاف نہیں ہوگا۔ ارشاد نبویؐ ہے:

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّغْفِرَهُ إِلَّا مَنْ مَاتَ مُشْرِكًا أَوْ مَنْ يَّقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا. (رواه أبوداؤد، مشكوة المصابيح ۳۰۱)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے نبی کریم علیہ السلام کا یہ فرمان منقول ہے کہ ہر گناہ کو خدا معاف کرسکتا ہے سوائے اس شخص کے جو مشرک ہونے کی حالت میں مرا ہو یا اس نے جان بوجھ کر کسی مؤمن کا قتل ناحق کیا ہو۔

یہ دونوں خدا کی رحمت اور اس کی مغفرت سے محروم ہی رہیں گے۔

خونِ ناحق کی دوسری شکل

خون ناحق کی دوسری شکل خودکشی ہے جو آج کی نوجوان نسل میں عام ہورہی ہے، والدین سے اختلاف کی وجہ سے یا جھوٹی شان کو ٹھیس پہنچنے کی وجہ سے یا مالی تنگیوں اور کاروباری الجھنوں کی وجہ سے بظاہر ایمان رکھنے والے حرام موت کو گلے لگارہے ہیں، کوئی گلے میں پھندہ ڈال کر خودکشی کرلیتا ہے تو کوئی ٹرین کے آگے کود کر اپنی جان دیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ دنیا کی الجھنوں، ناکامیوں اور ذلتوں سے بچنے کا اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں ہے؛ حالانکہ ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہم میں سے ہر ایک کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ حرام موت اور خودکشی راحت اور چین وسکون کا ذریعہ نہیں بنے گی؛ بلکہ یہ موت ابدی تباہی اور ہمیشہ کی ہلاکت کا سبب بنے گی، ایسے شخص کی نیکیاں اکارت ہوجائیں گی اور نجات کے دروازے اس پر بند ہوجائیں گے، چنانچہ ایک روایت میں نبی کریم علیہ السلام پہلی امت کے ایک شخص کا واقعہ نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ کسی حادثہ میں زخمی ہوگیا، تکلیف پر صبر کرنے کے بجائے اس نے بے صبری دکھائی اور چاقو سے اپنے ہاتھ کی نس کاٹ لی اور زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے اس کی موت ہوگئی تو رب ذوالجلال نے اس کے بارے میں فیصلہ دیا کہ میرے بندے نے میری دی ہوئی جان جس کا مالک میں ہوں اس کے خاتمہ کا فیصلہ میرے فیصلے سے پہلے کرکے میری ملکیت کو ضائع کیا ہے؛ اس لئے میں اس کے اوپر جنت کو حرام قرار دیتا ہوں۔ ارشاد نبویؐ ہے:

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَانَ فِيْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ بِهٖ جُرْحٌ فَجَزِعَ فَأَخَذَ سِكِّيْنًا فَحَزَّ بِهَا يَدَهٗ فَمَا رَقَاءَ الدَّمَ حَتّٰى مَاتَ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: بَادَرَنِيْ عَبْدِيْ بِنَفْسِهٖ فَحَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ. (متفق عليه، مشكوة المصابيح ۳۰۰)

حضرت جندب ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم علیہ السلام کا یہ ارشاد مروی ہے کہ پہلی امت کے ایک شخص کو زخم لگا، اس نے بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے چاقو سے اپنا ہاتھ کاٹ لیا اور زیادہ خون بہنے کی وجہ سے اس کی موت ہوگئی، تو اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندے نے اپنی جان دینے میں پہل کی یعنی موت کا مقررہ وقت آنے سے پہلے خودکشی کرتے ہوئے اپنی جان دی ہے؛ اس لئے میں جنت کو اس کے اوپر حرام قرار دیتا ہوں۔

موت کو از خود گلے لگانے کا جذبہ رکھنے والوں کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جن پریشانیوں،

الجھنوں اور مصیبتوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے جان دی جائے گی ان کا سلسلہ موت کے بعد بھیانک انداز سے دراز تو ہوگا، مگر کسی صورت میں ختم نہیں ہوگا۔ اور اگر انسان مشکلات پر صبر کرتے ہوئے بامید اجر وثواب اپنی زندگی گذار دے اور وقت موعود پر ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوجائے تو اللہ رب العزت ایک ایک تکلیف اور پریشانی پر وہ نعمتیں اور اجر وثواب عطا فرمائے گا کہ جس پر دنیا میں عافیت کی زندگی گذار کر جانے والے رشک کریں گے اور کہیں گے کہ کاش دنیا میں ہمیں بھی پریشانیوں اور الجھنوں میں مبتلا کیا گیا ہوتا اور عافیت وسکون کی زندگی ہم سے چھین لی گئی ہوتی، جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے:

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَوَدُّ أَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِيْنَ يُعْطٰى أَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ أَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ. (رواه الترمذي، مشكوة المصابيح ۲۳۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نبی کریم علیہ السلام کا یہ قول مروی ہے کہ عافیت اور سکون کی زندگی گذارنے والے جب قیامت کے دن مصیبتوں میں مبتلا ہونے والوں کے اجر وثواب کو دیکھیں گے تو یہ تمنا کریں گے کہ کاش (دنیا میں) ہماری کھالیں قینچی سے کاٹی جاتیں۔

آخرت پر یقین رکھنے والوں اور موت کے بعد کی زندگی پر ایمان لانے والوں کو خودکشی کرنے پر ملنے والے اخروی عذاب کو ذہن میں رکھتے ہوئے بہر قیمت اس عمل قبیح سے بچنا چاہئے اور دوسروں کو بھی اس سے آگاہ کرنا چاہئے، تاکہ کوئی مسلمان بھائی شیطان کے بہکاوے میں آکر حرام موت کو گلے لگا کر ہمیشہ کی تباہی اور ہلاکت کا سودا نہ کر بیٹھے۔ نبی کریم علیہ السلام ایک روایت میں خودکشی کرنے والے کے برے انجام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَرَدّٰى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدّٰى فِيْهَا خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا، وَمَنْ تَحَسّٰى سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَسَمُّهُ فِيْ يَدِهٖ يَتَحَسَّاهُ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم علیہ السلام کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ جس شخص نے پہاڑ سے کود کر خودکشی کی ہو وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ پہاڑ سے کودتا رہے گا، اور جس نے زہر پی کر خودکشی کی ہو تو وہ اپنے ہاتھ سے جہنم کی آگ میں زہر پیتا رہے گا، اور جس نے لوہے (چاقو وغیرہ) سے خودکشی کی ہو وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ لوہے سے اپنا پیٹ پھاڑتا رہے گا۔

بَحَدِيْدَةٍ فَحَدِيْدَتُهُ فِيْ يَدِهٖ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِيْ بَطْنِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا. (متفق علیہ، مشکوۃ المصابیح ۲۹۹)

خونِ ناحق کی تیسری شکل

خونِ ناحق کی تیسری شکل بلا عذرِ شرعی کے اسقاطِ حمل کرانا ہے، جس کا رواج بڑھتا جارہا ہے، نوجوان جوڑے برتھ کنٹرول کو اس درجہ پسند کرنے لگے ہیں کہ اگر نہ چاہتے ہوئے محض تقدیرِ الٰہی سے کسی نئے مہمان کی آمد کی خبر ملتی ہے تو فوراً بلا کسی تردد کے ڈاکٹر کے یہاں صفائی کے لئے پہنچ جاتے ہیں اور صرف فیشن، آزادی اور نامناسب شوق کو پورا کرنے کی غرض سے خدا کی طرف سے آنے والی ننھی سی جان کو قتل کروادیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے، ہمیں فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار ہے، ہم چاہیں اولاد کو جنم دیں اور چاہیں ان کو دنیا میں آنے سے روک دیں۔ یاد رکھئے برتھ کنٹرول ہو یا جنین کشی اور اسقاطِ حمل ہو اگر شرعی عذر کے بغیر کرایا جائے گا تو ماں باپ کو قتلِ ناحق کا مجرم قرار دیا جائے گا، جس کی قباحت اور برائی اوپر ذکر کی جاچکی ہے، کل قیامت کے دن جس طرح قتل کرنے اور خودکشی کرنے والے کو عذابِ خداوندی کا سامنا کرنا پڑے گا، اسی طرح شرعی جواز کے بغیر اسقاطِ حمل کرانے اور دورانِ حمل بیٹی ہونے کی وجہ سے صفائی کرانے والے کو بھی عذابِ خداوندی کا سامنا کرنا ہوگا اور میدانِ محشر میں ذلت ورسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا، چنانچہ قرآن کریم کی ایک آیت میں اللہ رب العزت قیامت کے دن کی منظر کشی کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ اس دن زندہ درگور کی گئی بچیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم کو کس جرم میں قتل کیا گیا تھا۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ، بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ. (التکویر: ۳۰)

اور جب زندہ درگور کی گئی بچیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم کو کس گناہ میں قتل کیا گیا۔

آج کی دنیا میں قتلِ اولاد کی مختلف صورتیں رائج ہیں، یعنی پیدائش کے بعد بھی قتل کیا جارہا ہے، دورانِ حمل بھی اولاد کو قتل کرانے کے لئے حمل کو ساقط کرایا جارہا ہے، اور برتھ کنٹرول کے نامناسب طریقوں کو اختیار کرکے بھی اولاد کو دنیا میں آنے سے روکا جارہا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ قتلِ اولاد کی یہ دوسری اور تیسری شکل اتنی عام ہوگئی ہے کہ لوگوں کے دلوں سے اس کی برائی اور حرمت ہی نکل گئی ہے، جس کی وجہ سے روحانی بیماریوں کے ساتھ ساتھ جسمانی بیماریاں بھی عام ہورہی ہیں اور معاشرہ سے چین وسکون اٹھتا جارہا ہے۔

اللہ رب العزت پوری امت کو خونِ ناحق جیسے مہلک اور تباہ کن گناہ سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین) وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ

❍❖❍

افاداتِ قرآنیہ:

اِفادات: سورۂ تحریم

افادات: عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نوراللہ مرقدہٗ
ضبط وترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ. اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ: (اورجن لوگوں نے ایمان کو اختیار کیا ہے اُن کے لئے اللہ فرعون کی بیوی کو مثال کے طور پر پیش کرتا ہے، جب کہ اُنہوں نے دعا کی تھی کہ: ''اے میرے پروردگار میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنادے، اور مجھے فرعون اور اُس کے عمل سے نجات دیدے، اور مجھے ظالم لوگوں سے بھی نجات عطا فرما'')

فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا قصہ

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کے لئے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ فرعون اتنا بڑا کافر؛ لیکن اس کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خاموشی سے ایمان لے آئی تھیں، اور اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھیں؛ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جادوگروں کے مقابلہ والا قصہ پیش آیا، اور سارے جادوگر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کے لئے آئے تھے، وہ سب ایمان لے آئے۔ اُسی وقت فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے ایمان کو ظاہر فرمادیا، اس پر فرعون بہت برہم ہوا، اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کو سخت تکلیفیں دینا شروع کیں، کمبخت اُن کو ننگا کرکے پتھر کی بڑی چٹان اُن کے اوپر رکھ دیتا تھا، بے چاری ایسی پڑی رہتی تھیں، کیسی کیسی مصیبتیں جھیلی ہیں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کمبخت نے حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کو چت لٹا کر ان کے دونوں ہاتھوں اور پیروں میں میخیں گاڑ دی تھیں، اور جسم پر بھاری چٹان رکھ دی تھی، سب کچھ برداشت کیا؛ لیکن ایمان سے نہ پھریں۔ اُسی وقت انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے فرعون اور اس کے عذاب سے اور ظالم قوم کے شر سے نجات دیجئے، اور میرے لئے اپنے قریب جنت میں مکان بنادیجئے، اللہ نے اُن کی دعا قبول کی، اللہ نے بڑا کرم فرمایا کہ جنت میں جو محل ان کے واسطے تیار کیا، جس کی انہوں نے دعا

کی تھی۔بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا وہ محل ان کو دنیا ہی میں دکھلا دیا تھا، بس لیٹے لیٹے اوپر دیکھا کرتیں، اپنے محل کا مشاہدہ کرتی رہتی تھیں، اور تصور کرتی تھیں کہ یہ میرا محل ہے، میری آرام گاہ ہے، اس میں جا کر مجھے رہنا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمادیا کہ مصیبت کی طرف سے توجہ ہٹا کر دوسری طرف توجہ کردی؛ تاکہ مصیبت کا زیادہ احساس نہ ہو، یہی مصیبت کا علاج ہے۔

ہر مصیبت اور پریشانی کا علاج

ہر مصیبت کا یہی علاج ہے کہ جب بھی کوئی مصیبت اور پریشانی آئے، مصیبت اور اُس پر صبر کرنے کے جو فضائل حدیث پاک میں آئے ہیں، مصیبت پر صبر کے کیسے کیسے اجر وثواب کے اللہ نے وعدے فرمائے ہیں، اس کو سوچے۔ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بہت سے اللہ کے بندے دعائیں کرتے ہیں، اُن کی دعائیں بظاہر قبول نہیں ہوتیں؛ لیکن اس کے عوض میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ثواب کا ذخیرہ کردیا، قیامت کے دن جب وہ بڑے ثواب کو دیکھے گا تو پوچھے گا کہ ہم نے تو عمل کیا نہیں، یہ ثواب کس عمل کا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے مجھ سے فلاں فلاں دعا کی تھی، میں نے تیری فلاں فلاں دعا قبول کرلی اور فلاں دعا کی قبولیت کا اثر تجھے کچھ نہیں معلوم ہوا، اس لئے کہ اس کے بدلہ میں تیرے لئے یہاں ثواب کا ذخیرہ کردیا گیا، اس عظیم ثواب کو دیکھ کر بندہ تمنا کرے گا کہ کاش! دنیا میں میری ایک دعا بھی قبول نہ ہوتی۔

اسی طرح قیامت کے دن مصیبتوں پر صبر کا اجر وثواب جب سامنے آئے گا اور بندہ یہی سوال کرے گا کہ یا اللہ یہ ثواب کس عمل کا ہے؟ ہم نے تو ایسا کوئی عمل نہیں کیا؟ اللہ تعالیٰ کہے گا کہ تو نے مصیبت اور تکلیف پر صبر کیا تھا، یہ اس کا اجر وثواب ہے، اس وقت بندہ تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں میری کھال قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتی، کاش! میرے جسم کی بوٹی بوٹی کردی گئی ہوتی، بڑی سے بڑی مصیبت پر اس کے اجر وثواب کو سوچے تو اس پر صبر کرنا آسان ہوجاتا ہے، اور تکلیف کا احساس کم ہوتا ہے۔

اللہ والوں کا حال

اللہ والوں کو چوں کہ اس کا استحضار کامل طور پر ہوتا ہے، اس لئے بڑی سے بڑی مصیبت بھی ان کو آسان معلوم ہوتی ہے، ایسا نہیں کہ مصیبت سے اللہ والوں کو تکلیف نہیں ہوتی، تکلیف تو ان کو بھی ہوتی

ہے؛ لیکن تکلیف پر صبر پر اجر وثواب کو سوچ کر وہ تکلیف کو ہلکا کر لیتے ہیں، اس اجر وثواب کے استحضار سے تکلیف کا زیادہ احساس نہیں ہوتا، اگر صبر کی فضیلت اور اس پر ملنے والے انعام وثواب کا آج بھی استحضار کیا جائے تو بڑی سے بڑی تکلیف آج بھی آسان معلوم ہوگی، اور تکلیف کا احساس بھی کم ہوگا؛ کیوں کہ احساس ہی کا نام تکلیف ہے، اگر احساس نہ ہو تو کوئی تکلیف نہیں، انگلی کو کاٹنے سے تکلیف ہوتی ہے؛ لیکن اگر انگلی سن کر دی جائے، انگلی بے حس ہو جائے، پھر کاٹا جائے تو کیا تکلیف ہوگی؟ تکلیف کا احساس ہی نہ ہوگا۔ آدمی کو بے ہوش کر کے بڑے سے بڑا آپریشن کر دیا جاتا ہے، کاٹ پیٹ، چیر پھاڑ کر دی جاتی ہے اور اس کو پتہ بھی نہیں چلتا، اس کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب کوئی مصیبت زدہ پریشان حال اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے اور مصیبتوں پر جس اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے، اس پر غور کرے، تو اس کی بھی توجہ مصیبت سے ہٹ جائے گی، اور احساس کم ہوگا، طبعی تکلیف اور رنج وغم تو ہوگا اور اسی کا ثواب بھی ہوتا ہے، ورنہ مصیبت بھیجی کیوں جاتی ہے؟ اس مراقبہ کا یہ مطلب نہیں کہ تکلیف دہ باتوں اور مصیبت سے تکلیف نہ ہو، تکلیف تو ہوتی ہے، لیکن اس مراقبہ سے اس کے برداشت کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے۔

مصیبت پر صبر کرنے سے روحانی ترقی - اضطراری مجاہدہ

مصیبت پر اجر وثواب کی زیادتی کو بندہ جب قیامت میں دیکھے گا تو تمنا کرے گا کہ کاش! میرا پورا جسم قینچی سے کتر کتر کر کاٹ دیا جاتا؛ تاکہ اس کو اور زیادہ اجر وثواب ملتا، یہ آخرت میں ظاہر ہوگا، اس لئے مصیبت اور تکلیف سے گھبرانا نہیں چاہئے، مصیبتوں پر صبر کرنے سے ایسی ترقی ہوتی ہے اور اتنے درجات بلند ہوتے ہیں کہ تہجد پڑھنے اور دوسرے مجاہدات سے بھی وہ بات نہیں ہوتی؛ کیوں کہ یہ اختیاری مجاہدہ ہے، اور وہ اضطراری مجاہدہ ہے، اور اضطراری مجاہدہ پر صبر کرنے سے بہت جلد ترقی ہوتی ہے، اور درجاتِ عالیہ نصیب ہوتے ہیں، اسی وجہ سے انبیاء وصلحاء سے اضطراری مجاہدے کرائے جاتے ہیں۔

اسی طرح مصیبتوں اور بیماریوں سے گناہوں کا کفارہ بھی اچھی طرح ہو جاتا ہے، بعض گناہ تو ایسے ہوتے ہیں کہ اس کی تلافی اور معافی کی صورت یہی اضطراری مجاہدے ہوتے ہیں، اور بہت سے درجات ایسے ہوتے ہیں جو اسی اضطراری مجاہدہ یعنی مصیبتوں اور بیماریوں پر صبر کرنے کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں، یہ راز ہے اہل اللہ اور انبیاء پر مصیبتوں کے آنے کا۔

مصیبت کے وقت کیا کرنا چاہئے؟

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ: سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مصیبتیں آتی ہیں تمہاری بداعمالیوں کی بنا پر آتی ہیں، اس لئے اگر کسی پر کوئی مصیبت اور پریشانی آئے تو سب سے پہلے یہ غور کرے کہ کہیں ہم سے کوئی گناہ تو نہیں ہوگیا؟ کہیں یہ ہماری کسی بدعملی کی سزا تو نہیں ہے؟ توبہ واستغفار کرے، اللہ کی طرف متوجہ ہو، اور یہ سوچے کہ اس مصیبت سے ہمارے درجات بلند ہوں گے، روحانی ترقی ہوگی، اس لئے مصیبت سے گھبرائے نہیں، اور اگر کوئی اس سے گھبرائے بھی اور جزع فزع بھی کرے تو اس سے کیا فائدہ؟ مصیبت تو ٹل نہیں جاتی، کچھ فائدہ تو ہوتا نہیں؛ بلکہ آخرت کا اور نقصان ہوجاتا ہے کہ آخرت میں ثواب کم ہوجائے گا، اس لئے بے صبری کرنے سے کیا فائدہ؟ جو تقدیر میں لکھا جاچکا وہ تو ٹل نہیں سکتا، پھر کیوں اپنا نقصان کرے؟ اس لئے جب کبھی کوئی مصیبت آئے تو اُس کو یوں ہی نہ جانے دے؛ بلکہ اس سے کچھ حاصل کرے، کچھ کمالے، یعنی صبر کرنے کے ذریعہ ثواب حاصل کرلے۔

سورۂ ملک

اللہ کی قدرت کا انکار اور منجانب اللہ اللہ کی سخت پکڑ

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ: (یعنی آپ ان لوگوں کو بتلادیجئے کہ اس بات پر غور کریں کہ جو پانی کنوؤں کے ذریعہ بآسانی نکال کر پی رہے ہو، اگر وہ پانی زمین کی گہرائی میں اتر جائے، تو تمہاری کونسی طاقت ہے جو اس جاری پانی کو حاصل کرسکے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ زمین سے پانی ختم کردے تو کون ہے جو اس پانی کو واپس لائے؟ ایک شخص نے کہا کہ ہم پھاوڑے اور کدال سے پانی نکال لیں گے، یہ کہنا تھا بس اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اس کو اندھا کردیا، اور اس سے کہا گیا کہ پہلے اپنی آنکھوں کا پانی واپس لے آئے، کبھی کبھی اللہ تعالیٰ عبرت کے لئے بروقت سزا دیتا ہے۔

ایک بادشاہ کا عبرت ناک واقعہ

ایک بادشاہ ایک مرتبہ پاخانہ کررہا تھا، اس میں ایک کیڑا بلبلا رہا تھا، بادشاہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے

اس کیڑے کو کیوں پیدا کیا؟ اس کے پیدا کرنے میں کیا مصلحت اور اس سے کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ کی خلقت پر اس نے اعتراض کیا، بس اسی وقت سر یا پیٹ میں درد شروع ہوا، درد بڑھتا ہی گیا اور ایسا بے چینی کا شدید درد کہ نا قابل برداشت ہوگیا، بہت علاج کیا گیا؛ لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، ملک بھر کے ماہر اطباء ڈاکٹر سب جمع ہوگئے، ہر ایک نے اپنی تدبیر کر ڈالی؛ لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا، مایوسی ہوگئی، رونا پیٹنا مچ گیا کہ بادشاہ سلامت کا اب آخری وقت ہے، اب جاتے ہیں تب جاتے ہیں، مرنے کے قریب ہیں، سب کو مایوسی ہوچکی تھی۔ اتنے میں ایک فقیر بھی مانگتے مانگتے وہاں تک جا پہنچا، پوچھا یہ بھیڑ کیسی لگی ہے کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا کہ بادشاہ بہت بیمار ہے، ہر طرح کا علاج کیا جاچکا، فائدہ نہیں ہورہا ہے، اس فقیر نے کہا کہ میں بھی ذرا دیکھ لوں، لوگوں نے کہا کہ ملک بھر کے اچھے اچھے ڈاکٹر اطباء تو عاجز ہوگئے، یہ فقیر کیا کرے گا؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ فقیر جب دیکھنے کو کہہ رہا ہے تو دیکھنے دو، کیا حرج ہے؟ بادشاہ کی حالت اس وقت ایسی تھی کہ درد کی شدت کی وجہ سے غنودگی طاری تھی، اور حالت یہ تھی اب انتقال ہوا، اب انتقال ہوا، فقیر اندر پہنچا، اس نے بادشاہ کی حالت دیکھتے ہی اپنے تھیلے سے ایک پڑیا نکالی، اور بادشاہ کے منہ میں ڈال دی، اس دوا کے اندر جاتے ہی بادشاہ نے آنکھ کھول دی، تھوڑی دیر کے بعد اس نے دوسری خوراک کھلائی، اس سے اس کو مزید افاقہ ہوا، اس کے ہوش وحواس درست ہوگئے، تیسری خوراک کھلائی تو بادشاہ اُٹھ کے بیٹھ گیا، باتیں کرنے لگا۔ غرض ۴-۵ گھنٹے میں بادشاہ کی حالت درست ہوگئی، لوگ حیرت میں پڑ گئے، فقیر واپس چلتا بنا، وہاں ٹھہرا ہی نہیں، سارے اطباء وڈاکٹر بھی حیران اور تعجب میں کہ اس نے کونسی دوا کھلائی، کونسا علاج کیا ہے؟ اس کو معلوم کرنا چاہئے، اس کی تفتیش کی تو فقیر تو وہاں سے جاچکا تھا، اب اس کی تلاش شروع ہوئی کہیں نہ ملا، کافی تلاش کے بعد ایک جگہ ملا، اس سے پوچھا گیا کہ آپ نے کونسا علاج کیا ہے؟ کونسا نسخہ استعمال کیا ہے؟ فقیر نے کہا کہ آپ کو اس سے کیا مطلب؟ آپ کا مقصد مریض ٹھیک ہونا تھا وہ ٹھیک ہوگیا، اس کو بہت انعام دیا گیا، اس نے لینے سے انکار کیا، جب لوگ زیادہ پیچھے پڑے تو اس نے بتلایا اور بتلانے کے لئے اس کو بھیجا ہی گیا تھا، یا تو فرشتہ ہوگا یا انسان ہوگا، اللہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا، یہ دوا جس سے تمہارے بادشاہ کو صحت ہوئی ہے، فلاں کیڑے سے بنتی ہے، جس کو دیکھ کر بادشاہ نے اعتراض کے طور پر کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کیوں پیدا کیا؟ اس کے پیدا کرنے میں کیا مصلحت؟ گویا اس نے اللہ کی قدرت وحکمت کا انکار کیا تھا، اس بادشاہ کی آنکھیں کھل گئیں اور اس کو احساس ہوا کہ ہم اس غلطی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کئے گئے تھے، توبہ واستغفار کیا۔

❍❖❍

حب الوطنی کا اِسلامی معیار اور اُسکے تقاضے

حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی ایم پی وصدر دینی تعلیمی وملی فاؤنڈیشن ذاکر نگر نئی دہلی

روئے زمین کے جس خطے میں انسان جنم لیتا ہے، جہاں اس کی پرورش ہوتی ہے اور جس کی آب وہوا میں وہ اپنی عمر کے مختلف مراحل طے کرتا اور اس کی خیرات وبرکات سے مستفید ہوتا ہے، اس سے محبت اور دلی تعلق ایک فطری بات ہے اور یہ ایسا ہی تعلق ہے جیسا کہ ایک انسان کا اپنے والدین سے ہوتا ہے، محدود سطح پر اگر ہم اس کو محسوس کرنا چاہیں تو اپنے بچپن کی طرف لوٹیں جب ہماری عمر چھوٹی تھی اور ہم تعلیم حاصل کرنے کے لیے یا کسی اور غرض سے اپنے گاؤں اور گھر سے پہلی مرتبہ باہر نکلے تھے، اس وقت کے احساسات کیا تھے، جہاں ہم اپنے والدین کے چہرے کو بار بار دیکھتے اور زبانِ حال سے فریاد کررہے ہوتے تھے کہ ہمیں کہیں نہیں جانا ہے، وہیں اردگرد کا ماحول، وہ جگہیں جہاں ہم کھیلتے تھے، جہاں ہم دوستوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے اور جہاں گھوما کرتے تھے، وہ بھی شدت سے یاد آنے لگتیں اور ایسا لگتا کہ جیسے یہ چیزیں ہمارا دامن اپنی جانب کھینچ رہی ہیں، بالکل یہی حال ذرا بڑے پیمانے پر اس وقت ہوتا ہے، جب ایک انسان اپنا وطن اور اپنا ملک چھوڑ کر کسی اور ملک کی طرف رختِ سفر باندھ رہا ہوتا ہے۔ عمومی ماحول میں ہمیں اس حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا، مگر جو لوگ اپنے ملک یا اپنے شہر، گاؤں سے باہر ہوتے ہیں ان سے پوچھ کر دیکھئے کہ وطن کی محبت کیا ہے اور اس سے تعلق کی نوعیت کیسی ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں ہمیں اس حوالے سے واضح اشارات اور مظاہر ملتے ہیں، جب آپ نے لوگوں کو اسلام اور دینِ حنیف کی دعوت دینا شروع کی اور لوگوں نے اس کے جواب میں آپ کو اور مسلمانوں کو بے پناہ تکلیفیں پہنچائیں، جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کی اجازت مل گئی اور آپ نے مدینہ کے لیے رختِ سفر باندھا، تو اس وقت آپ کے جذبات چھلک پڑے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے خطاب کرکے کہا: ''تو نہایت ہی پاکیزہ شہر ہے، مجھے بہت زیادہ محبوب ہے، اگر میری قوم مجھے تیرے

آغوش سے نہ نکالتی تو میں تیرے علاوہ اور کسی شہر میں رہائش پذیر نہیں ہوتا''۔(سنن ترمذی حدیث:۳۹۲۶)

نزولِ وحی کے پہلے واقعے کے بعد جب ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ آپ کو لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور انھوں نے آپ کے نبی ہونے کی نشان دہی کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ'' کاش میں اُس وقت زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو (مکہ مکرمہ سے) نکال دے گی''تو یہ سن کر آپ کو بے پناہ تعجب ہوا،اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:''کیا وہ لوگ مجھے نکال دیں گے''؟(صحیح بخاری حدیث:۳)

اس سوال میں جہاں اظہارِ حیرت ہے وہیں اپنے وطن سے غیر معمولی محبت وتعلق کی جھلک بھی ہے۔

پھر جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور ابتدائی دنوں میں آب وہوا کے بدلنے کی وجہ سے صحابۂ کرام کی صحت خراب ہونے لگی اور وہ مکہ مکرمہ کو بہت زیادہ یاد کرنے لگے،تو آپ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! جس طرح ہمیں مکہ محبوب ہے،آپ مدینہ کو اسی طرح؛ بلکہ اس سے بڑھ کر ہمارے لیے محبوب بنادیجئے''۔(صحیح البخاری حدیث:۱۸۸۹)

پھر آہستہ آہستہ مدینہ بھی آپ کا وطن ہوگیا اور اس کی محبت بھی دل دماغ میں پیوست ہوگئی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے آتے اور آپ کی نگاہ مدینہ کی دیواروں پر پڑتی تو آپ اپنی سواری کو تیز کردیتے اور اگر جانور پر سوار ہوتے تو اسے تیزی سے چلاتے اور یہ مدینہ کی محبت کی وجہ سے تھا۔(صحیح البخاری حدیث:۱۸۸۶)

یہ احادیث اس بات کو بتاتی ہیں کہ وطن سے محبت اور اس سے تعلق ایک فطری چیز ہے،اسلامی شریعت نے نہ صرف یہ کہ اس جذبہ کو باقی رکھا ہے، بلکہ اس کو صحیح اور مکمل رُخ بھی دیا ہے۔حافظ ابن حجرؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وطن کی محبت اور اس کی طرف دل کا شدید میلان جائز اور درست ہے۔(فتح الباری ۳/۷۸۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ورقہ بن نوفل سے جو پوچھا تھا کہ کیا میری قوم کے لوگ مجھے مکہ سے نکال دیں گے؟ اس فرمان نبوی کی روشنی میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس جملہ سے واضح طور پر وطن کی شدید محبت اور وطن سے دوری کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق ہونا معلوم ہوتا ہے۔(الروض الأنف ۲/۴۲۱)

وطن نام ہے زمین،سوسائٹی، قیادت اور اخلاقی قدروں کا،یہیں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسلام نے جو وطن کی محبت کی تکمیل کی ہے وہ ان تمام چیزوں کو شامل ہے،جن سے مل کر وطن کا قیام عمل میں

آتا ہے، چنانچہ اسلام نے حب الوطنی کو معنی ومفہوم سے خالی محض ایک دعویٰ نہیں بنایا اور نہ ہی ایک نعرہ بنایا کہ جس سے شخصی، اجتماعی یا سیاسی فائدے حاصل کیے جائیں، بلکہ اسے ایک ایسا جامع عنوان بنایا ہے جو اعلیٰ اخلاقی قدروں اور عمدہ اصولوں سے مزین ہو۔ شریعتِ اسلامی نے ہر فرد کو اس بات پر اُبھارا ہے کہ وہ ایک بہترین شہری بن کر رہے، چنانچہ شریعت نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ ملک کا باشندہ خیر کو لازم پکڑے، راہِ راست پر قائم رہے، دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کے ذریعہ ملک کی تعمیر وترقی کا حصہ بنے، اچھے اخلاق وکردار سے آراستہ رہے، علم ومعرفت کی تلاش وجستجو میں سرگرم رہے، صحیح فکر اور اچھی ثقافت وتہذیب کی نشر واشاعت کرے، اپنی مہارتوں، صلاحیتوں اور امکانات کو وطن کی خدمت میں استعمال کرے۔

اسی طرح شریعت نے ہر اس بات کا حکم دیا ہے جو سوسائٹی کے افراد کے درمیان مستحکم تعلقات پیدا کرے اور ان کے درمیان محبت کے جذبات کے فروغ کا سبب بنے، چنانچہ شریعت نے باہمی تعاون، عفو ودرگذر، بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت، مصیبت زدوں کے ساتھ غم گساری، رنجیدہ شخص کو تسلی دینا محتاج کی مدد، والدین کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی، پڑوسیوں کے ساتھ بہتر سلوک، مہمانوں کا اکرام، دوستوں کے ساتھ بہتر برتاؤ، اولاد کی اچھی تربیت، دوسروں کے لیے بھلائی کی چاہت، جود وسخا اور عزت وآبرو کی حفاظت جیسے بہتر اخلاق پر اُبھارا، اور غیبت، چغل خوری، ظلم، کینہ، حسد، انانیت، گروپ بندی اور ہر ان چیزوں سے روکا ہے جو دلوں میں نفرت پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں اور ملک کا اجتماعی شیرازہ منتشر کرتی ہیں۔

اسی طرح شریعت نے وطن، اس کے قدرتی وسائل اور پیداوار کی حفاظت، اس کے استحکام اور اس کی بقاء کے لیے کوششیں کرنے، ہر شر سے اس کا دفاع کرنے، اس کو صالح ثقافت کے ذریعہ پاکیزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، اور اس بات کا بھی حکم دیا ہے کہ ملک ووطن کو گندی اور منفی ثقافتوں سے بچایا جائے اور ہر ایسی قولی وفعلی دخل اندازی کے خلاف وطن کی مدافعت کی جائے، جو دخل اندازی وطن اور اس کے استحکام کے لیے مضر ہو۔ وطن کی محبت کے صرف نعرے لگانے یا مشرکانہ نعروں کی تبلیغ وتائید کرنے کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔ وطن کے تعلق سے اسلام کی یہ ہدایات ہندوستان جیسے ملک کے لیے بھی ہیں اور ان ممالک کے لیے بھی جن کا شمار اسلامی ملکوں میں ہوتا ہے، البتہ دعوت وتبلیغ اور معاشرت کے کچھ معاملوں میں ہندوستان یا ان ملکوں کے بعض احکام مختلف ہوں گے، جہاں مسلمانوں کے ساتھ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی رہتے ہیں یا جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔

وطن سے حقیقی محبت کا یہی وہ آئینہ ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے اور اسے ہر انسان تسلیم کرے گا، اب ان حقائق کو سامنے رکھ کر انسان کو خود اندازہ کرنا چاہیے کہ وہ اپنے وطن سے کتنی محبت کرتا ہے اور اس کے تقاضوں پر پورا اتر رہا ہے یا نہیں، ہندوستان جیسے ملک میں کسی خاص نظریے کو وطن سے محبت کا معیار بنا لینا یا کسی مخصوص جملے، نعرے یا بول کو حب الوطنی کا شناخت نامہ سمجھ لینا بھی نہایت ہی مذموم حرکت ہے، ایسے نظریات کے پنپنے سے ملکی ترقی کا ڈھانچہ تیزی سے تنزل کی طرف جاتا ہے اور ایک ملک کے رہنے والے مختلف طبقات، قبائل اور مذاہب کے پیروکاروں کے مابین ایک طویل کشمکش کا دور شروع ہو جاتا ہے، جو یقیناً ملک سے محبت کے منافی ہے۔ وطن سے محبت کا تقاضا نعرے مارنا، لوٹ مار مچانا، بے گناہوں کا قتل کرنا، شرک و بت پرستی پر لوگوں کو مجبور کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ ہم قومی و بین الاقوامی سطح پر علم و عمل کے میدانوں میں اپنے ملک، وطن اور قوم کا نام روشن کریں اور ایک ملک میں رہنے والے بھائیوں کے حق میں خیر اور خیر کا ذریعہ ثابت ہوں۔ ❐

نعت:

غرض ہم کو نہیں اس سے عدُو کے دل پہ کیا گذرے

جناب ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی ادارۂ مطالعات فارسی علی گڈھ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

عجب کیا گر وہیں سے رحمتوں کا قافلہ گذرے ❖ جہاں سے سرورِ کونینؐ کے اہلِ وفا گذرے
جہاں جبرئیل کے پر بھی ہوئے پرواز سے عاجز ❖ وہاں سے بھی شبِ اسرا، امامِ انبیاء گذرے
شبِ اسرا کا منظر جب بھی آیا تصور میں ❖ زمیں سے عرش تک نظروں سے اُنؐ کے نقشِ پا گذرے
منور ہوں یہ آنکھیں کاش سیرِ کوئے آقاؐ سے ❖ فرازِ آسماں سے ہم اگر گذرے تو کیا گذرے
عداوت ہے جنہیں آقاؐ سے اور اُنؐ کے غلاموں سے ❖ خدایا! اُن سبھی پر بولہب سا ماجرا گذرے
میں اپنی زندگی میں کس طرح سمجھوں انہیں شامل ❖ نبی کے آستاں سے دور جو صبح و مسا گذرے
وہی لمحے حقیقت میں متاعِ زندگانی ہیں ❖ جو زیرِ اتباعِ سنتِ خیر الوریٰ گذرے
ہمیں تو سرورِ دیںؐ کی اطاعت کرتے رہنا ہے ❖ غرض ہم کو نہیں اس سے عدو کے دل پہ کیا گذرے
مری جانب سے بھی پڑھنا درود آقاؐ کے روضے پر ❖ مدینے کی طرف سے جب بھی اے بادِ صبا گذرے

کبھی تیری ثنا لکھے، کبھی نعتِ شہِ بطحاؐ
رئیسِ بے نوا کی عمریوں ہی اے خدا گذرے

قربانی؛ ایک عظیم عبادت

مولانا مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی وادیٔ مصطفیٰ شاہین نگر حیدرآباد

اسلام کی دو اہم عیدوں میں سے ایک عید ''عید قرباں'' ہے، جو ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو سارے عالم میں منائی جاتی ہے، جسے عربی میں ''عید الاضحیٰ'' اور اردو میں ''عید قرباں'' کہتے ہیں، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے بیٹے کی قربانی کی عظیم یادگار ہے، جسے اللہ عزوجل نے رہتی دنیا تک بطور عبادت اور شعار اسلام کے لئے زندہ اور تابندہ کر دیا، اس قربانی کا مقصود صرف جانور کی قربانی نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مقصود اور مطمح نظر یہ ہے کہ بندہ کے اندر اس قربانی کے نتیجے میں اللہ کے احکام کے لئے جذبۂ فدویت پیدا ہو جائے، اللہ عزوجل کے حکم کے سامنے اپنے ہر جذبہ اور خواہش کو قربان کرنے والا وہ بن جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساری زندگی اسی جذبۂ فدویت اور احکام خداوندی پر وارفتگی سے معمور ہے، انہوں نے ساری زندگی اعلاء کلمۃ اللہ، حق اور توحید کی آواز بلند کرنے اور احکام خداوندی کو بلا چوں و چرا اور من وعن تسلیم کرنے میں گذار دی، جس میں ان کو زندگی کے مختلف مراحل میں کٹھن اور دشوار گذار نہایت روح فرسا، جاں گسل، صبر آزما امتحانات سے گذرنا پڑا، اعلائے کلمۃ اللہ کے خاطر دہکتی ہوئی آگ میں ڈالے گئے اور وہ اس سے صحیح وسالم باذن خداوندی نکل آئے، بڑی آرزوؤں اور ارمانوں سے زندگی کے آخری مراحل میں، ناامیدی اور مایوسی کے ایام میں اولاد سے سرفراز کئے گئے؛ ابھی بچے کے شیر خواری اور لڑکپن ہی کا زمانہ تھا کہ حکم خداوندی ہوا کہ آپ اپنے بچے کو بے آب وگیاہ جنگل اور ویرانے میں چھوڑ آؤں، چنانچہ اللہ عزوجل کے حکم کے آگے سرنگوں ہوتے ہوئے اس کی بھی تعمیل کی اور ماں سمیت بچے کو مکہ کے سنگلاخ پہاڑیوں میں چھوڑ آئے، جس کی برکت کے نتیجے میں مکہ جیسا مقدس شہر اور خانہ کعبہ جیسا مبارک گھر اور آب زمزم جیسا متبرک پانی وجود میں آیا، اور بچے کے ہوش سنبھالنے کے بعد بحکم خداوندی اپنے اس لخت جگر اور چہیتے کی قربانی کے لئے بھی تیار ہوئے اس کے گلے پر چھری چلائی اور امتحان کے اس مرحلہ میں بھی کامیاب وکامراں ہوئے اور بحکم خداوندی چھری نے اپنا کام نہیں کیا اور

اسماعیل علیہ السلام ذبح سے بچ گئے اور یہ قربانی کا عمل اللہ عزوجل کو اس قدر پسند آیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر سے نکلنے سے لے کر اُس قربانی کے عمل تک سارے مراحل کو حج جیسے عظیم رکن اسلامی میں شامل کیا، صفاومروہ کی سعی، منیٰ وعرفات کا قیام اور رمی جمار یہ سارے اعمال اسی قربانی کے عظیم عمل کی یادگار ہیں، یہ قربانی نہ صرف حجاج کے لئے ضروری قرار دی گئی؛ بلکہ تمام مسلمانانِ عالم کے لئے جو مستطیع ہیں اس قربانی کے عمل کو ان کے لئے واجب قرار دیا گیا، یہ قربانی تو صرف ایک علامت ہے، مقصود تو اس کے ذریعہ احکامِ خداوندی کے سامنے اپنے جذبات، خواہشات کی قربانی ہے۔

اسی کو اللہ عزوجل نے فرمایا: ''اور یاد رکھو کہ اللہ کو نہ تو ان جانوروں کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ہی ان کے خون بلکہ اس کے یہاں تو صرف تمہاری پرہیزگاری اور اخلاص نیت کی پونجی ہی پہنچتی ہے''۔

حضرت مفتی شفیع صاحب اس آیت کی تفسیر میں قربانی کی حقیقت اور اس کے مقصود کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: عبادات کی خاص صورتیں اصل مقصود نہیں بلکہ دل کا اخلاص واطاعت مقصود ہے: ﴿لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا﴾ میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ قربانی جو ایک عظیم عبادت ہے اللہ کے پاس اس کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا نہ وہ مقصود قربانی ہے؛ بلکہ مقصود اصلی اس پر اللہ کا نام لینا اور حکم ربی کی بجا آوری دلی اخلاص کے ساتھ کرنا ہے۔ یہی حکم دوسری تمام عبادات کا ہے کہ نماز کی نشست و برخاست کرنا اور بھوکا پیاسا رہنا اصل مقصود نہیں؛ بلکہ مقصود اصلی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل دلی اخلاص ومحبت کے ساتھ ہے اگر یہ عبادات اس اخلاص ومحبت سے خالی ہیں تو صرف صورت اور ڈھانچہ ہے، اور روح غائب ہے؛ مگر عبادات کی شرعی صورت اور ڈھانچہ بھی اس لئے ضروری ہے کہ حکم ربانی کی تعمیل کے لئے اس کی طرف سے یہ صورتیں متعین فرمادی گئی ہیں، واللہ اعلم۔ (معارف القرآن)

اِسی قربانی کی حقیقت کو حاصل کرنے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''جو آدمی اس طرح سے قربانی کرے گا کہ قربانی کرتے وقت اندر سے اُس کا جی خوش ہو رہا ہو کہ میں اللہ کے راستے میں قربانی پیش کر رہا ہوں اور اپنی قربانی پر ثواب کی امید بھی رکھتا ہو ''كَانَتْ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ'' تو یہ قربانی اُس کے اور جہنم کے بیچ میں حائل ہو جائے گی، رکاوٹ بن جائے گی''۔ (الترغیب والترہیب)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس حدیث میں دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

(۱) کوئی بھی عمل اللہ عزوجل کے سامنے جب انسان پیش کرے تو خوش دلی سے پیش کرے اور دل وزبان پر یہ ہو کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے، تیرا احسان ہے، فضل وکرم ہے کہ تو نے مجھے اس عمل کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

(۲) ثواب کی امید رکھے کہ اللہ عزوجل اس جانور کو اس کے اور جہنم کے درمیان رکاوٹ بنادیں گے، ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ یہ جانور پل صراط پر اس کے لئے سواری بن جائے گا۔

قربانی کی فضیلت

کسی بھی چیز کی فضیلت واہمیت کے ذکر سے اس چیز کی قدر وعظمت کو اپنے دل میں جاگزیں کرنا مقصود ہوتا ہے، اور ہزار مشکلات کے باوجود بندہ اس کی فضیلت کے حصول کے لئے اس عمل کو حتی الوسع بجالانے کی تگ ودو کرتا ہے، اللہ کی رضا اور ثوابِ آخرت کی جستجو میں اس عمل کو انجام دیتا ہے، قربانی کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر اس کے بے انتہا فضائل بیان کئے ہیں، چند فضائل ملاحظہ ہوں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یوم نحر (دس ذوالحجہ) کو اللہ کے نزدیک خون بہانے سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں (یعنی قربانی سے) قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں بالوں اور کھروں سمیت آئے گا اور بے شک اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں مقام قبولیت حاصل کر لیتا ہے، پس اس خوش خبری سے اپنے دلوں کو مطمئن کرلو''۔ (ترمذی شریف)

یہاں دو باتیں ملحوظ رہیں کہ اس حدیث میں پہلی بات تو یہ بتائی گئی کہ روزِ قربانی اللہ عزوجل کے یہاں اس قربانی کے عمل سے کوئی عمل بیش قیمت وبیش بہا ہے ہی نہیں، اور یہ جانور روزِ قیامت سینگوں اور کھروں سمیت آئے گا اور قربانی کرنے والے کی بخشش کا سامان بنے گا، البتہ دوسری بات یہ پیشِ نظر رہے یہ قربانی ریاکاری، دکھلاوا یا گوشت خوری کے لئے نہ ہو محض رضاء خداوندی اور اللہ کی قربت اور اس کی عبادت صرف مقصود ہو تو یہ قربانی کا عمل صحیح معنی میں مفید دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی کا سبب بن سکے گا۔

مزید قربانی کی فضیلت واہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا کہ یہ تمہارے والد ابراہیمؑ کی سنت ہیں۔ اُنہوں نے عرض کیا ان میں ہمیں کیا ملے گا؟ فرمایا ہر بال کے بدلہ نیکی۔ عرض کیا اور اون میں؟ فرمایا اون کے ہر بال کے بدلہ (بھی) نیکی۔ (سنن ابن ماجہ)

اِس روایت میں تو قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی کے بطور اجر کے ملنے کی بات کہی گئی، اور ظاہر ہے جانور کے بالوں کو گننا اور شمار کرنا ممکن ہی نہیں؛ پھر کیوں کر قربانی کے عمل کے ثواب کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے فاطمہ! اپنی قربانی کے پاس حاضر ہوجاؤ؛ کیوں کہ اس کے خون کے پہلے قطرے کی وجہ سے تمہارے پچھلے گناہ معاف ہوجائیں گے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا: یارسول اللہ! کیا یہ فضیلت صرف ہمارے لئے یعنی اہل بیت کے واسطے مخصوص ہے یا سب مسلمانوں کے لئے ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ فضیلت ہمارے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ (الترغیب والترہیب)

قربانی ایک عبادت اور شعارِ اسلام

ہر صاحبِ استطاعت پر قربانی واجب ہے، قربانی ایک مستقل عبادت اور شرائع اسلام میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مدینہ کے دس سالہ قیام میں ہر سال قربانی فرمائی۔ حضرات صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین اور ائمہ مجتہدین واسلاف غرض پوری امت کا متوارث عمل بھی قربانی کرنے کا رہا ہے۔ آج تک کسی نے نہ اسے حج اور مکہ معظّمہ کے ساتھ خاص سمجھا ہے اور نہ ہی صدقہ وخیرات کو اس کے قائم مقام گردانا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور اس عرصہ میں آپ مسلسل قربانی فرماتے رہے۔ (ترمذی شریف)

اس سے پتہ چلا کہ قربانی نہ حج کے ساتھ خاص ہے اور نہ مکہ معظّمہ کے ساتھ؛ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ۹ رسال قربانی کیوں فرماتے؟ اور نہ ہی قربانی کا مقصد ناداروں کی مدد کرنا ہے جو صدقہ

وخیرات سے پوری ہوجائے؛ بلکہ قربانی میں مقصود جانور کا خون بہانا ہے، یہ عبادت اسی طریقہ سے ادا ہوگی محض صدقہ وخیرات کرنے سے یہ عبادت ادا نہ ہوگی، نہ اس کے مطلوبہ ثمرات وفوائد حاصل ہوں گے، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دور میں غربت وافلاس دورِ حاضر کی بنسبت زیادہ تھا، اگر جانور ذبح کرنا مستقل عبادت نہ ہوتا، تو وہ حضرات جانور ذبح کرنے کے بجائے اس کی رقم کو غریبوں پر تقسیم کرتے۔

درحقیقت قربانی حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی اس عظیم الشان عمل کی یادگار ہے جس میں انہوں نے اپنے لختِ جگر کو ذبح کرنے کے لئے لٹایا تھا اور ہونہار فرزند نے بلاچوں وچرا حکم الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرما کر دنبہ کو فدیہ بنایا تھا، اس یادگار پر عمل ذبح کرنے ہی سے ہوسکتا ہے، محض صدقہ وخیرات سے اس عمل کی یاد تازہ نہیں ہوسکتی۔

اسی قربانی کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے اللہ عزوجل نے فرمایا: ''اور ہر اُمت کے واسطے ہم نے مقرر کردی ہے قربانی کہ یاد کریں اللہ کے نام ذبح پر چوپایوں کے جوان کو (اللہ نے دیے) سو اللہ تمہارا ایک اللہ ہے سو اسی کے حکم میں رہو، اور بشارت سنادے عاجزی کرنے والوں کو''۔

امام ابن کثیر اور امام رازی رحمہما اللہ وغیرہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں تصریح فرمائی ہے کہ خون بہا کر جانوروں کی قربانی کا دستور شروع دن سے ہی تمام ادیان ومذاہب میں چلا آرہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۳/۲۲۷، تفسیر کبیر ۳/۳۴)

اور ایک جگہ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: ''اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور (اسی کے نام کی) قربانی دیجئے''۔ (الکوثر ۲)

نیز حافظ ابن کثیر وامام رازی رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عطاء، حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت حسن بصری، حضرت قتادہ، حضرت محمد بن کعب قرظی، حضرت ضحاک رحمہم اللہ وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ مشرکین عرب غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنے رب کے نام پر جانور ذبح کریں۔ (تفسیر ابن کثیر ۴/۴۳۷)

اِس لئے ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے اور استطاعت کے باوجود اگر کوئی شخص قربانی نہ کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے اور نمازِ عید کی ادائیگی کے لئے

اس کو اپنی عیدگاہ آنے سے بھی منع کیا ہے کہ بغیر قربانی کے عمل کے عیدگاہ آنے کا اور خدا کے حضور دو رکعت شکرانے کی نماز ادا کرنے کا وہ مستحق ہی نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کو وسعت ہو پھر بھی وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔ (سنن ابن ماجہ)

لہٰذا قربانی ہر مسلمان عاقل، بالغ، مقیم پر واجب ہے، جس کی ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مال اُس کی حاجاتِ اصلیہ سے زائد ہو، یہ مال خواہ سونا چاندی یا اُس کے زیورات ہوں، یا مالِ تجارت یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان یا مسکونہ مکان سے زائد کوئی مکان، پلاٹ وغیرہ ہو۔ (شامی، کتاب الاضحیہ)

قربانی کے معاملہ میں اس مال پر سال بھر کا گذرنا بھی شرط نہیں۔ (بدائع الصنائع/کتاب الاضحیہ ۶۵/۵)

لہٰذا بعض لوگوں کا یہ باور کرنا کہ گھر میں ایک قربانی ہوجانا کافی ہے یہ درست نہیں ہے؛ بلکہ میاں بیوی اگر دونوں صاحبِ نصاب ہوں تو دونوں کی طرف سے دو قربانیاں لازم ہیں، اسی طرح اگر باپ بیٹا دونوں صاحب نصاب ہوں تو خواہ اکٹھے رہتے ہوں مگر ہر ایک کی طرف سے الگ الگ قربانی واجب ہے۔

چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر سال دو بکروں کی قربانی کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی وصیت فرمائی تھی؛ لہٰذا میں ایک قربانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کرتا ہوں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

اِسی طرح بعض لوگوں کا یہ سمجھنا کہ قربانی عمر بھر میں ایک دفعہ کر لینا کافی ہے، یہ خیال غلط ہے؛ بلکہ جس طرح زکوۃ اور صدقۂ فطر ہر سال واجب ہوتا ہے، اسی طرح ہر صاحبِ نصاب پر قربانی ہر سال واجب ہے۔ چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنیہ منورہ کے دس سالہ قیام کے دوران ہر سال قربانی فرمائی ہے، جیسا کہ اوپر روایت میں گزرا۔

قربانی کے بعض اہم مسائل

- سب سے پہلے قربانی میں نیت کی اصلاح کرے، اگر محض گوشت کھانے کی نیت سے قربانی کرے، عبادت کی نیت نہ کرے تو اس کو قربانی کا ثواب نہیں ملتا، اگر ایسے لوگوں نے کسی اور کے ساتھ حصہ

رکھا ہو تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی۔ (البحر الرائق ۸/۱۹۷)

- قربانی کی عبادت صرف تین دن کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے دنوں میں قربانی کی کوئی عبادت نہیں، قربانی کے دن ذی الحجہ کی دسویں، گیارہویں اور بارہویں تاریخیں ہیں، ان میں جب چاہے قربانی کرسکتا ہے؛ البتہ پہلے دن کرنا افضل ہے۔ (البحر الرائق ۸/۱۷۶)
- بھیڑ، بکرا، دنبہ، ایک ہی شخص کی طرف سے قربان کیا جاسکتا ہے، گائے، بیل، بھینس، اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے ایک کافی ہے۔ (فتاوی ہندیہ ۵/۳۰۴، طبع رشیدیہ، کوئٹہ)
- بشرطیکہ سب کی نیت ثواب کی ہو، کسی کی نیت محض گوشت کھانے کی نہ ہو، بکرا، بکری ایک سال کا پورا ہونا ضروری ہے، بھیڑ اور دنبہ اگر اتنا فربہ اور تیار ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو تو وہ بھی جائز ہے، گائے، بھینس دو سال کی، اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے، ان سے کم عمروں کے جانور قربانی کے لئے کافی نہیں۔ (فتاوی ہندیہ ۵/۲۹۷)
- جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں یا بیچ میں سے ٹوٹ گئے ہوں اس کی قربانی درست ہے، ہاں! سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو جس کا اثر دماغ پر ہونا لازم ہے تو اُس کی قربانی درست نہیں۔ (شامی ۶/۳۲۳) خصی بکرے کی قربانی جائز؛ بلکہ افضل ہے۔ (ہندیہ ۵/۲۹۹)
- اندھے، کانے اور لنگڑے جانور کی قربانی درست نہیں، اسی طرح ایسا مریض اور لاغر جانور جو قربانی کی جگہ تک اپنے پیروں نہ جاسکے اس کی قربانی بھی جائز نہیں، جس جانور کا تہائی سے زیادہ کان یا دم کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (شامی ۶/۳۲۳)
- جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں یا اکثر نہ ہوں اس کی قربانی جائز نہیں۔ (درمختار ۵/۲۹۸)
- اسی طرح جس جانور کے کان پیدائشی طور پر بالکل نہ ہوں، اس کی قربانی درست نہیں۔ (درمختار ۴/۱۶۵)
- اگر جانور صحیح سالم خریدا تھا، پھر اس میں کوئی عیب مانع قربانی پیدا ہوگیا تو اگر خریدنے والا غنی صاحب نصاب نہیں ہے تو اس کے لئے اسی عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے اور اگر یہ شخص غنی صاحبِ نصاب ہے، تو اس پر لازم ہے کہ اس جانور کے بدلے دوسرے جانور کی قربانی کرے۔ (درمختار ۴/۱۶۵)

○ قربانی کا گوشت خود کھائے، دوست واحباب میں تقسیم کرے، غریب مسکینوں کو دے اور بہتر یہ ہے کہ اس کے تین حصے کرے، ایک اپنے لئے، ایک دوست واحباب اور عزیز واقارب کو ہدیہ دینے کے لئے اور ایک ضرورت مند نادار میں تقسیم کرنے کے لئے، الغرض کم از کم تہائی حصہ خیرات کردے؛ لیکن اگر کسی نے تہائی سے کم گوشت خیرات کیا، باقی سب کھالیا یا عزیز واقارب کو دے دے تب بھی گناہ نہیں۔ (ردالمحتار ۶/۳۲۸)

جانور ذبح کرتے وقت کی دعا:

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

میں نے متوجہ کیا اپنے منہ کو اسی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہوکر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والوں میں سے، بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو پالنے والا سارے جہاں کا ہے۔

پھر جانور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَخَلِيْلِكَ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ. (مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، مشکوۃ / کتاب الأضحیۃ)

اے اللہ! اس قربانی کو مجھ سے قبول فرما، جیسے کہ آپ نے قبول کیا اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے۔

اللہ عزوجل ہمیں قربانی کی صحیح حقیقت کو سمجھتے ہوئے، اس کے فضائل کے استحضار اور اس کے عبادت خالصہ ہونے کا یقین رکھتے ہوئے، اس کے مسائل کو جان کر اس ''ذبح عظیم'' کے عمل کو انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

○❖○

ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد
ایک عظیم اصلاحی تحریک کا نام ہے
صرف ایک ممبر بنا کر آپ بھی اس تحریک میں شامل ہوجائیے۔

لمحۂ فکریہ:

اللہ کی عظیم نعمتوں پر شکر بجالائیے!

مولانا محمد الیاس صاحب ندوی بھٹکلی

ہمارے جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں مولانا عاصم صاحب ندوی کے یہاں دو ماہ قبل پہلی بچی کی ولادت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک خوبصورت منی حفصہ کی شکل میں عطا کی، یہ میرے خالو مولانا شفیع صاحب ملپا قاسمی کی نواسی بھی تھی، خلاف معمول صرف چھ ماہ میں اس معصوم کلی کی اس دنیا میں آمد ہوئی، اس کے بعد سے اب تک یعنی گذشتہ ہفتہ تک جن مراحل سے گلشن کے اس حسین پھول کو بالخصوص اس کے والدین اور اس کے نانا محترم اور گھر والوں کو گذرنا پڑا اس کی تفصیلات کو سن کر ہی نہیں بلکہ سوچ کر بھی کمزور سے کمزور ایمان والے کے سامنے اللہ رب العزت کی عظیم نعمتوں کا ایک لامتناہی دفتر کھل جاتا ہے، حفصہ نے جب اس عالم فانی میں قدم رکھا تو اس کا وزن عام نومولود بچوں سے بھی نصف یعنی مجموعی طور پر ایک کلو سے بھی کم تھا جس پر ڈاکٹروں کا یہ متفقہ فیصلہ تھا کہ بچہ کی ولادت قبل از وقت ہوئی ہے، اندورنی بعض اعضاء نامکمل ہیں، اس لیے اس کے بچنے کے امکانات بہت کم ہیں، گردے، پھیپھڑے اور اندرونی اعضاء رئیسہ بھی اپنی مطلوبہ ساخت سے کم ہیں اسی لیے بچی کو سانس لینے میں تکلیف ہورہی ہے، اس لیے اس کو فوری شہر سے باہر کسی بڑے ہسپتال میں لے جاکر وینٹی لیٹر (مصنوعی سانس لینے کی مشین) پر رکھنا ناگزیر ہے۔

حسبِ حکم ڈاکٹر اسی وقت ایمبولینس پر شہر سے دور سو کلومیٹر پر واقع ہندوستان کے مشہور و مہنگے منی پال ہسپتال میں بچی کو لے جایا گیا اور فوری اس کو وینٹی لیٹر کے حوالے کردیا گیا، وہاں جب پہنچے تو ہسپتال کا پورا ایک ہال قبل از وقت دنیا میں آنے والے ایسے ہی بچوں سے بھرا پڑا تھا اور ساٹھ سے زائد نومولود پہلے سے ہی وہاں موجود تھے، تقریباً دو ماہ تک بچی I.C.U میں رہی، صرف ایک کلو سے بھی کم وزن والی اس معصوم کلی کے چہرہ، ناک اور نازک سینہ پر قسمہا قسم کی مشینیں لگادی گئیں، گلشن کے اس پھول پر اس وقت

کیا بیت رہی ہوگی یہ منظر سوچ کر ہی کلیجہ منھ کو آجاتا ہے، تھوڑے سے فاصلہ پر واقع ہسپتال ہی کے ایک دوسرے کمرے میں ماں کا قیام تھا اور ڈاکٹروں کے حکم کے مطابق دن میں بارہ مرتبہ ہر دو گھنٹے کے وقفہ سے ماں کا تازہ دودھ چھوٹے سے ڈبّے میں ڈال کر I.C.U لے جاکر بچی کو انجکشن کے ذریعہ پلایا جانا ضروری تھا، اس لازمی پابندی کا نتیجہ یہ تھا کہ دن میں تو خیر غنیمت، رات میں بھی حفصہ کی ماں مسلسل دو گھنٹے سے زائد سو نہیں سکتی تھی اور اس دودھ کو پہنچانے کے لیے بچی کے والد، نانا اور ماموں بھی باری باری بھٹکل سے دور وہاں جاکر قیام کرتے اور وہ بھی ہر رات دو دو گھنٹے کے وقفہ سے چھ سات مرتبہ ہسپتال جاتے اور اپنا فرض ادا کرتے، یہ سلسلہ دو ماہ تک جاری رہا، جب بچی کا وزن دوگنا ہوا اور جسم کے اعضاء مکمل ساخت و پرداخت کے ساتھ اپنا کام کرنے لگے تو ابھی گذشتہ ہفتہ حفصہ کو گھر لایا گیا، اس دوران ایک خطیر رقم سے ہسپتال کا بل بھی ادا کرنا پڑا۔

گذشتہ ہفتہ ایک والد اپنی بچی کے ساتھ میرے پاس آئے، دوران گفتگو اس پیاری اور خوبصورت بچی کے بائیں ہاتھ پر اچانک میری نظر پڑی جس کو وہ بڑی مشکل سے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی، میں نے دیکھا کہ ساڑھے تین سالہ معصوم وخوبصورت اس بچی کا ہاتھ مڑا ہوا ہے، میں نے اس کے والد سے پوچھا کیا قصہ ہے.....؟ کہنے لگے:۔ پیدائشی نقص ہے، میں نے اپنی عدم استطاعت کے باوجود لاکھوں روپئے خرچ کئے لیکن ہر جگہ سے یہی سن کر واپس آنا پڑا کہ اس فطری نقص کا علاج اتنا ہی ممکن ہے جتنا ہوا ہے، اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

ہمارے ایک دوست ایک دن عصر بعد تشریف لائے، ان کا چھوٹا سا بچہ ان کے ساتھ تھا جو ہمارے جامعہ کے مکتب میں زیر تعلیم تھا، میں نے دیکھا اس معصوم بچہ کی آنکھ پر اتنا موٹا چشمہ لگا ہوا ہے جو ہم نے اپنے دادا مرحوم کی آنکھوں پر کبھی اسّی سال کی عمر میں دیکھا تھا، میرے پوچھنے پر والد کا کہنا تھا کہ میرا یہ بچہ ایک لمحہ بھی اس چشمہ کے بغیر نہیں رہ سکتا، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ پابندی سے چشمہ نہ لگانے پر رہی سہی اس کی بینائی بھی جواب دے سکتی ہے، اس بچہ کو اس آزمائش میں دیکھ کر بے ساختہ میرے دل نے رب کریم کی اس عظیم نعمت کا استحضار پیدا کر دیا جس کا مجھے ابھی تک احساس نہیں تھا اور میں اسی وقت دل ہی دل میں یوں گویا ہوا:۔ اے پیارے مولیٰ:۔ میری اور میرے بچوں کی آنکھوں کی سلامتی اب صرف ایک نعمت نہیں

بلکہ تیری دسیوں نعمتوں کا مجموعہ بن کر سامنے آئی ہے، اے اللہ:۔ میرے تمام بچوں کی تو نے محض اپنے فضل سے دونوں آنکھیں سلامت رکھیں، ان کی آنکھ نہ اندر دھنسی ہوئی ہے اور نہ باہر نکلی ہوئی جیسا کہ سینکڑوں بچے اس نقص کے ساتھ دنیا میں آئے، نہ ان کو قریب کے دیکھنے میں تکلیف ہے نہ دور کے دیکھنے میں، نہ ان کی آنکھیں لال ہوتی ہیں اور نہ اس میں پانی آتا ہے جیسا کہ متعدد نونہالوں کو اس کی شکایت ہے، نہ ان کی آنکھوں میں درد ہوتا ہے کہ چشمہ لگانا پڑے اور نہ اس کے کسی گوشہ چشم سے اندورنی گندگی بار بار باہر آتی ہے جیسا کہ میں نے کئی بچوں کو دیکھا ہے، نہ ان کی آنکھیں اتنی چھوٹی ہیں کہ عیب دار لگے اور نہ اتنی بڑی کہ بھدّی لگے جیسا کہ میں نے کئی بار ایسے بچوں کا مشاہدہ کیا ہے، اے اللہ:۔ یہ صرف تیرا ہی فضل ہے جو تو نے محض اپنے کرم سے عدم استحقاق کے باوجود مجھے اور میری اولاد کو عطا کیا، اس پر میں تیری ہی پاک ذات کا شکر بجالاتا ہوں۔

ان تینوں واقعات کے متعلق اب جب بھی اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے میرے ذہن میں بات آتی ہے تو میرا رواں رواں بارگاہ الٰہی میں سجدۂ شکر بجالانے کے لیے بے قرار ہوجاتا ہے اور پکار پکار کر نعمت خداوندی مجھ سے کہتی ہے کہ اے خدا کے بندے تجھ پر ہونے والی تمام نعمتوں کو تو کنارے رکھ، صرف اپنے ایک بچی یا بچہ کی وقت پر بعافیت ولادت اور اس کے جسم کے تمام اعضاء کے سلامت ہونے پر زندگی بھر تو اللہ پاک کا شکر ادا کرے گا تو اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔

اس غیر مرئی آواز کو سننے کے بعد میں اپنے نفس سے مخاطب ہوکر اپنے دل ہی دل میں یوں گویا ہوتا ہوں کہ اگر غیر اختیاری طور پر مذکورہ والدین کی طرح میرے بچوں کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہوتا تو کیا میں لاکھوں روپئے خرچ کرنے پر مجبور نہ ہوتا، اللہ رب العزت کی طرف سے محض اس کے فضل وکرم سے اس طرح کی آزمائش سے بچا کر لاکھوں کے صرفہ سے مجھے محفوظ رکھنے پر میں لاکھ روپئے بھی شکرانے کے طور پر خیرات کروں تو یہ کم ہے، یہ تو درکنار میرا تو حال یہ ہے کہ کم از کم روز ایک مرتبہ مجھ پر ہونے والی اس عظیم نعمت پر اللہ تعالی کا شکر ادا کرنے میں بھی کوتاہی کرتا ہوں۔

رب کائنات کی ان بیش بہا نعمتوں کے تناظر میں ہمیں یہ سبق بھی ملا کہ اولاد کی نعمت اب صرف ایک نعمت خداوندی نہیں رہی بلکہ سینکڑوں نعمتوں کا ایک مجموعہ ہے، اولاد کی دولت، ان کی وقت پر ولادت،

بعافیت دنیا میں ان کی آمد، جسم کے ایک ایک عضو کی اللہ کی طرف سے سلامتی، اس فانی دنیا میں سکون کے ساتھ ان کی ایک ایک سانس اور چین کا ایک ایک لمحہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم روزانہ اپنے ہر بچہ کا نام لے کر خصوصیت سے ان نعمتوں پر اللہ پاک کا شکر ادا کریں، اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے یہ روز کے دو چار شکرانے کے جملے ان شاء اللہ ان نعمتوں کے ہمارے حق میں مرتے دم تک باقی رہنے کی ضمانت بھی دیں گے اور اس کے عوض ہم سب کا اللہ کے شکر گذار بندوں میں شمار بھی ہوگا، ان نعمتوں پر اپنے شکر کی ادائیگی کے لیے کئی پیاری دعائیں خود اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھائی ہیں، اس کو بھی ہم آج سے ہی اپنے معمولات میں شامل کریں۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا. (الفرقان: ٧٤)

اے اللہ! ہماری بیویوں اور اولاد کو ہمارے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا اور ہمیں اہل تقوی کا امام بنا۔

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا. (بنی اسرائیل: ٢٤)

اے اللہ! ہمارے والدین پر رحم فرما جنھوں نے بچپنے میں ہماری اس طرح تربیت کی)

ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے:

رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ. (النمل: ١٩)

اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیرا شکر ادا کروں تیرے اس احسان کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جو تو پسند کرے اور تو اپنے رحم وکرم سے مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل کر دے۔

وَأَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ إِنِّيْ تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. (الأحقاف: ١٥)

اور میری اولاد میں نیکی کی صلاحیت دے، میں نے تیری ہی طرف رجوع کیا اور میں تیرے فرماں برداروں میں سے ہوں۔

❍❖❍

آخری قسط

مقامِ ابراہیم؛ تاریخی وشرعی حیثیت

مولانا محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی اُستاذ دارالعلوم حیدرآباد

مقام ابراہیم کی جگہ کی تعیین

مقام ابراہیمؑ کی اصل جگہ کون سی ہے، سہولت کے لئے اسے تین ادوار میں تقسیم کرسکتے ہیں:

(۱) حضرت ابراہیمؑ کے دور میں کہاں تھی؟ (۲) زمانہ جاہلیت میں کہاں تھی؟ (۳) عہد رسالت میں کس جگہ تھی؟ تفصیل درج ذیل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے وہ کہاں تھی اِس سے بحث نہیں؛ کیونکہ اُس وقت اسے مقامِ ابراہیم کا نام نہیں ملا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم کو کہاں رکھا تھا، اس میں دو احتمال ہیں: (۱) یا تو کعبہ کے اندر رکھ دیا تھا۔ (۲) یا کعبہ کے دروازے کے پاس گڑھے میں رکھا تھا۔

(۲) زمانہ جاہلیت میں لوگوں نے خانہ کعبہ کے اندر ہی رکھا تھا، اور زیارت ومشاہدے کے لئے خانہ کعبہ سے نکالتے تھے، اور وہاں موجود گڑھے میں رکھتے تھے۔

(۳) جب مکہ فتح ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خانہ کعبہ کے اندر سے نکال کر خانہ کعبہ کے دروازے کے پاس موجود گڑھے میں رکھ دیا، پھر جب ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ آیت نازل ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے زم زم کے قریب رکھا؛ تاکہ نماز پڑھنے کی وجہ سے طواف میں انقطاع نہ ہو اور نمازیوں اور طائفین کو پریشانی نہ ہو، یہی اس کی اصل جگہ قرار پائی اور حضرت صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانے میں مقام ابراہیم یہیں رہا۔ (ماخوذ از: شفاء الغرام باخبار البلد الحرام ۱/۲۷۸)

اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مقام ابراہیم پہلے دیوار کعبہ سے متصل تھا کعبہ کے دروازے کی طرف حجر اسود کی جانب دروازے سے جانے والے کی دائیں جانب مستقل جگہ پر تھا جو آج بھی لوگوں کو معلوم

ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے یہاں رکھوادیا تھا، یا بیت اللہ کی تعمیر یہیں آکر مکمل ہوئی ہوگی تو مقام ابراہیم کو وہیں چھوڑ دیا۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اسے پیچھے ہٹادیا، پھر ایک مرتبہ پانی کے بہاؤ میں یہ پتھر یہاں سے بھی ہٹ گیا، خلیفہ ثانی نے اسے پھر اپنی جگہ رکھوادیا، یہ تفصیل تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ اور صاحب کتاب نے مختلف روایات کی روشنی میں یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک یہ پتھر ایک ہی جگہ رہا اور سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اُسے پیچھے کیا؛ تاہم مجاہد کے حوالے سے اُنہوں نے ایک روایت ایسی بھی نقل کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تبدیلی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ (دیکھئے: تفسیر ابن کثیر ۱/۴۱۷)

عموماً مؤرخین نے وہی بات لکھی ہے جو صاحب تفسیر ابن کثیر کے حوالے سے گذری کہ زم زم کے پاس مقامِ ابراہیم کو سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رکھوایا، اس رائے کی بنیاد غالباً وہ واقعہ ہے جو حضرت عمرؓ کے دور میں پیش آیا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اُم نہشل نامی سیلاب مکہ میں آیا، حضرت عمرؓ اس وقت مدینے میں تھے، اس سیلاب کی وجہ سے مقام ابراہیم اپنی جگہ سے بہہ کر دور چلا گیا، اور سیلاب کی وجہ سے اس کی اصل جگہ مٹ گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ آئے اور مقام ابراہیم کے حوالے سے بڑے فکرمند ہوئے، اُنہوں نے لوگوں سے کہا کہ جس شخص کو بھی مقامِ ابراہیم کی جگہ معلوم ہو میں اسے قسم دیتا ہوں کہ وہ مجھے بتائے، ایک صحابی حضرت مطلب بن ابووداعہ سہمیؓ نے یہ سن کر کہا کہ مجھے معلوم ہے، مجھے اس کا خدشہ تھا، اِس لئے میں نے مقامِ ابراہیم سے حجرِ اَسود کی سمت والے دروازے تک اور دوسری طرف اس جگہ سے زم زم کے کنویں تک ناپ کر اس کی پیمائش کو محفوظ کرلیا تھا، حضرت عمرؓ نے وہ پیمائش فوراً منگائی اور اس کے مطابق پیمائش کر کے مقام ابراہیم کو اس کی جگہ نصب کرادیا جہاں وہ آج کل نصب ہے۔ (السیرۃ الحلبیۃ)

دو متضاد باتیں

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ مقام ابراہیم پرانے زمانے سے حضرت عمرؓ کے زمانے تک کعبہ کے دروازہ سے بالکل ملا ہوا تھا، پھر حضرت عمرؓ نے اُس کو وہاں سے ہٹا کر پیچھے نصب کیا؛ تاکہ اس کے قریب نماز پڑھنے والے اور کعبہ کا طواف کرنے والے ایک دوسرے کے لئے رکاوٹ نہ بنیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

دوسری روایت سیرتِ حلبیہ کے حوالے سے آپ نے پڑھی کہ مقام ابراہیم دوسری جگہ نصب کرنے کی وجہ وہ سیلاب تھا، اِن دونوں روایتوں میں دو متضاد باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اب اگر یہ ثابت ہوجائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ عمل دو مرتبہ کیا تھا تو تضاد ختم ہوسکتا ہے؛ لیکن قرین قیاس بات یہی ہے کہ مقامِ ابراہیم کو اس جگہ منتقل کرنے والی شخصیت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیلاب کے بعد مقامِ ابراہیم کو اسی جگہ رکھوایا تھا جہاں پہلے تھا، اور اس رائے کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے:

فتح مکہ کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ ابراہیم کے پاس ٹھہر گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ مقام ابراہیم ہے، اسے نماز پڑھنے کی جگہ بنانا چاہئے، تھوڑی ہی دیر میں: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر ۱/۴۱۵)

اس روایت کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز مقامِ ابراہیم کو خانہ کعبہ کے اندر سے نکال کر اس گڑھے میں رکھا تھا جسے المعجن کہا جاتا ہے، پھر جب آیت اتری تو آپ نے دو وجہوں سے اسے وہاں سے ہٹا دیا: (۱) ایک تو اس وجہ سے کہ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھنے کا حکم ہے، نماز پڑھنے کی وجہ سے طواف میں انقطاع ہوسکتا ہے، اور طائفین کو پریشانی بھی۔ (۲) اور دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ کہیں طواف کعبہ میں اس پتھر کو بھی شمار نہ کرلیا جائے، اور تفصیل مذکور سے ساری روایتوں میں تطبیق ہوجاتی ہے۔ راقم الحروف کی اس تفصیل کی بنیاد شیخ محمد طاہر الکردی کی وہ تحقیق ہے جو اُنہوں نے اپنی کتاب ''التاریخ القدیم لمکۃ وبیت اللہ الکریم'' میں پیش کی ہے، اور ایسی ہی تحقیق اخبار مکہ: ۲/۳۵، اور شفاء الغرام باخبار البلد الحرام میں ہے ۱/۲۷۵۔

قدم مبارک کے نشانات کی گہرائی ولمبائی

شیخ محمد طاہر الکردی (م: ۱۴۰۰ھ) ماضی قریب کے محققین میں سے ہیں، اُن کی تحقیق کے مطابق ایک قدم مبارک کے نشان کی گہرائی دس سینٹی میٹر ہے، اور دوسرے قدم مبارک کی گہرائی نو سینٹی میٹر ہے؛ البتہ انگلیوں کے نشانات نہیں ہیں، جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ پتھر کسی فریم میں محفوظ نہیں تھا، صدیوں سے لوگ اُس کو اپنے ہاتھوں سے چھوتے رہے ہیں، جس کی بنا پر انگلیوں کے نشانات زائل ہوگئے۔

واضح ہو کہ ہر قدم کی لمبائی ۲۲ سینٹی میٹر ہے، اور چوڑائی ۱۱ سینٹی میٹر ہے، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قد مبارک اتنا ہی لمبا تھا جتنا آج کل کسی دراز قد شخص کا ہوتا ہے، (التاریخ القویم ۳/۳۰۸، بحوالہ تاریخ مکہ مکرمہ ۷۸)

مقامِ ابراہیم کی حفاظت

چوں کہ مقام ابراہیم کو واضح نشانی بنایا گیا ہے؛ اس لئے من جانب اللہ اس کی حفاظت ہر دور میں ہوتی رہی اس کی چوری کی بھی بہت کوششیں ہوئیں، اور اس طویل عرصہ میں نہ جانے کتنی مرتبہ زبردست قسم کے سیلاب اور طوفان بھی آئے؛ لیکن ظاہری انتظامات نہ ہونے کے باوجود آج تک محفوظ ہے، اور آئندہ محفوظ رہے گا، انشاء اللہ، اور موجودہ عہد میں تو اس کی حفاظت کے پختہ انتظامات کر دیئے گئے ہیں، تفصیل آگے آرہی ہے۔

علامہ فاکہیؒ نے اپنی کتاب میں ایک واقعہ نقل کیا ہے:

''ایک یہودی یا عیسائی شخص نے جس کا نام جریج تھا، مقام ابراہیم کو چرالیا؛ تاکہ اس کو شاہِ روم کی خدمت میں پیش کرے، اہل مکہ نے اس کی تلاش شروع کی، تو اسی یہودی کے پاس مل گیا، اہل مکہ نے مقامِ ابراہیم اس سے لے کر سابقہ جگہ پر رکھ دیا، اور جریج کو قتل کر دیا گیا؛ تاکہ آئندہ کوئی ایسی جرأت نہ کر سکے''۔ (اخبار مکۃ للفاکہی: رقم: ۹۹۱)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ام نہشل نامی سیلاب میں مقام ابراہیم بہہ گیا تھا، بعد میں مکہ کی نشیبی جگہ میں مل گیا تھا۔

مقام ابراہیم کی ایک خاص فضیلت

اگر عربوں کے زمانۂ جاہلیت کا تاریخی اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو ایک بات بہت واضح طور سے سامنے آتی ہے کہ وہ لوگ پتھروں اور مورتیوں کو پوجتے تھے، اور خانۂ کعبہ میں ۳۶۰ر کی تعداد میں بت رکھے ہوئے تھے؛ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی حجرِ اسود اور مقام ابراہیم کی پرستش نہیں کی؛ گویا خدا تعالیٰ نے ان دونوں پتھروں کو ہر قسم کی پرستش و پوجا سے محفوظ رکھا۔

بنائے کعبہ کے وقت مقامِ ابراہیم کی بلندی

ڈاکٹر محمد الیاس عبد الغنی لکھتے ہیں:

''مؤرخ کردی کی تحقیق کے مطابق مقامِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودہ بلندی صرف ۲۰ رسینٹی میٹر ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی نشانی اور معجزہ ابراہیمی تھا کہ کعبہ شریف کی تعمیر جیسے جیسے اوپر کو جاتی یہ پتھر معمارِ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اوپر اٹھاتا جاتا، تا آں کہ اس مبارک گھر کی تعمیر پوری ہوگئی، اس دور میں الیکٹرک لفٹ سسٹم سے اس کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ (تاریخ مکہ مکرمہ ص:۷۸)

حجر اسود اور مقامِ ابراہیم کا شرعی فرق

حجر اسود اور مقامِ ابراہیم دونوں جنتی پتھر ہیں؛ لیکن شرعی طور سے ان میں فرق یہ ہے کہ حجر اسود کا بوسہ یا استیلام جائز ہے؛ لیکن مقام ابراہیم کو چومنا یا چھونا درست نہیں، مقام ابراہیم کے پیچھے بطور تبرک کے صرف نماز پڑھنے کا حکم ہے، جو لوگ مقامِ ابراہیم کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں جو حجر اسود کے ساتھ مطلوب ہے وہ غلطی پر ہیں۔

وحكم المقام مخالف حكم الحجر الأسود في التمسح به واستلامه وتقبيله؛ فإن ذلك غير مطلوب في المقام على ما ذكره العلماء. (شفاء الغرام باخبار البلد الحرام ۲۷۹/۱)

مقام ابراہیم کے پاس نماز کا حکم اور فضیلت

قاضی نے شفا میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھے گا اُس کے اگلے پچھلے گناہ بھی معاف ہوجائیں گے اور قیامت کے دن عذاب سے محفوظ رہے گا۔ (ہدایۃ السالک ۵۳/۱)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی، پھر فرمایا کہ بے شک ہر دو رکعت کفارہ ہے اُن گناہوں کا جو دونوں نمازوں کے درمیان ہیں، یا جو دو رکعت سے پہلے ہیں۔ (اخبار مکۃ للفاکہی رقم:۱۰۲۲)

چنانچہ مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھنی چاہئے۔ اور طواف کی ان دو رکعت میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھنا مستحب ہے۔

نوٹ:- طواف کے بعد دو رکعت پڑھنا واجب ہے، اور مقامِ ابراہیم کے پاس پڑھنا افضل ہے: لیکن وہاں جگہ نہ ملے تو مسجد حرام میں جہاں چاہے پڑھ لے؛ بلکہ گھر میں آکر پڑھ لے تب بھی جائز ہے۔ (عینی ۲۷۰/۱۱)

لیکن عوام بالکل مقامِ ابراہیم کے پاس دو رکعت پڑھنے کو لازم سمجھتے ہیں طواف کرنے والوں کی بھیڑ میں وہیں گھس کر پڑھتے ہیں جس سے طواف کرنے والوں کو اذیت اور پریشانی ہوتی ہے یہ درست نہیں، بہت سے بہت افضل ہے، اور افضل کو اختیار کرنے کے لئے خود پریشان ہونا اور دوسروں کو پریشان کرنا درست نہیں، گناہ کی بات ہے اس سے بچنا چاہئے۔

احسن الفتاویٰ میں بحوالہ شامی لکھا ہے:

''اس کی کوئی تحدید نہیں ہے، عرف میں جس کو قرب سمجھا جاتا ہے وہ مراد ہے، حضرت ابن عمرؓ مقام ابراہیم سے ایک یا دو صف کا فاصلہ چھوڑ کر نفل پڑھتے تھے، عرفاً بھی دو صف سے زیادہ فاصلہ بعید شمار ہوتا ہے۔ **قال في الشامية: (قوله: عند المقام) عبارة اللباب خلف المقام، قال: والمراد به ما يصدق عليه ذلك عادة وعرفًا مع القرب وعن ابن عمرؓ أنه إذا أراد أن يركع خلف المقام جعل بينه وبين المقام صفا أو صفين أو رجلاً أو رجلين رواه عبدالرزاق: (رد المحتار: ۱۸٤/۲، احسن الفتاویٰ ٥٥٠/٤ کراچی)**

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اگر مقام ابراہیم کے قریب جگہ نہ ملے تو کچھ دور بھی پڑھ سکتا ہے؛ بلکہ مسجد حرام میں جس جگہ بھی پڑھ لے دوگانہ ادا ہو جائے گا''۔ (جواہر الفقہ ۱۹۶/۴ مکتبہ دار العلوم کراچی ۲۰۱۰ء)

دوگانہ طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پاس کی دعا

مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت پڑھ کر جو چاہے دعا مانگ سکتے ہیں، اکابر نے مقام ابراہیم کے قریب ذیل کی دعا پڑھنا بتایا ہے، اگر چاہے تو پڑھ لے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِيْ، وَتَعْلَمُ حَاجَتِيْ، فَأَعْطِنِيْ سُؤْلِيْ، وَتَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ. اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ إِيْمَانًا يُبَاشِرُ قَلْبِيْ وَيَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى أَعْلَمَ أَنَّهُ لاَ يُصِيْبُنِيْ إِلَّا مَا كَتَبْتَ لِيْ وَرِضًا مِنْكَ بِمَا قَسَمْتَ لِيْ، أَنْتَ وَلِيِّيْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ. اَللّٰهُمَّ لَا تَدَعْ لَنَا فِيْ مَقَامِنَا هٰذَا ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهُ وَلَا حَاجَةً مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا قَضَيْتَهَا وَيَسَّرْتَهَا فَيَسِّرْ أُمُوْرَنَا وَاشْرَحْ

صُدُوْرَنَا وَنَوِّرْ قُلُوْبَنَا، وَاخْتِمْ بِالصَّالِحَاتِ أَعْمَالَنَا، اَللّٰهُمَّ أَحْيِنَا مُسْلِمِيْنَ، وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ، وَأَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُوْنِيْنَ. آمِيْنَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ . (جواہر الفقہ ۱۹۷/٤)

اس دعا کا ترجمہ بھی پڑھ سکتے ہیں، ترجمہ کسی عالم سے پوچھ لینا چاہئے، یا جواہر الفقہ کتاب دیکھی جاسکتی ہے۔

عورتوں کے لئے مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز کا حکم

مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت عورتوں کے لئے اس وقت مناسب نہیں ہے جب بھیڑ زیادہ ہو، ایام حج میں ازدحام کا ہونا امرِ مشاہد ہے؛ اس لئے عورتیں نہ پڑھیں تو بہتر ہے؛ تاہم جائے مقام پر آکر پڑھ لیں۔

فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں ہے: ''عورتوں کے لئے بعض چیزوں کی ممانعت ہے: مثلاً زور سے تلبیہ نہ پڑھیں، طواف میں اضطباع نہ کریں، طواف میں رمل نہ کریں، میلین اخضرین کے درمیان دوڑ نہ لگائیں، صفا پر نہ چڑھیں، ہجوم کے وقت حجر اسود کو بوسہ نہ دیں، نیز ہجوم کے وقت مقام ابراہیم کے قریب نماز بھی نہ پڑھیں''۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۳۶۸/۳، زم زم پبلیشرز کراچی، ۲۰۰۹ء)

مقامِ ابراہیم پر دوگانہ پڑھنے کی وجہ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری ''رحمۃ اللہ الواسعہ'' میں لکھتے ہیں:

''ہر طواف کے بعد دو رکعتیں بیت اللہ کی تعظیم کی تکمیل کے لئے پڑھی جاتی ہیں، بیت اللہ کا طواف بھی اس کی تعظیم ہے، مگر کمالِ تعظیم یہ ہے کہ اس کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھی جائیں۔

آگے لکھتے ہیں: ''مقامِ ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہوکر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا، اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ہیں، اور اسی پتھر پر کھڑے ہوکر آپ نے لوگوں کو حج کی دعوت دی تھی، اور وہ جنت سے لایا گیا تھا، جیسے حجر اسود (فوائد شیخ الہند) اس لیے وہ مسجد حرام کی بزرگ ترین جگہ ہے، اور اللہ کی قدرت کی وہ نشانی ہے جو خلیل اللہ پر ظاہر ہوئی ہے، اور حج میں انہیں اُمور کو یاد کرنا مقصود بالذات ہے؛ اس لیے اس یادگار مقام پر دوگانہ طواف پڑھنا مستحب ہے۔

(رحمۃ اللہ الواسعۃ ۲۲۵/۴، زم زم پبلیشرز کراچی، ۲۰۰۴ء)

وإنما سن ركعتين بعده؛ إتمامًا لتعظيم البيت؛ فإن تمامه أن يستقبل في صلوتهم وإنما خص بها مقام إبراهيم؛ لأنه أشرف مواضع المسجد وهو آية من آيات اللّٰه ظهرت علىٰ سيدنا إبراهيم، وتذكّر هٰذه الأمور هي العمدة في الحج. (حجة اللّٰه البالغة ۹۷/۲ بيروت)

مقامِ ابراہیم سے متعلق دقیق معلومات

شیخ محمد طاہر الکردی نے مقامِ ابراہیم کے تعلق سے نہایت دقیق معلومات اپنی کتاب میں ذکر کی ہیں، جنہیں ڈاکٹر محمد الیاس نے اپنی کتاب میں شامل کیا ہے، ذیل میں افادہ کی خاطر خلاصہ نقل کیا جارہا ہے۔

مقام ابراہیم کے لئے ایک مربع میٹر پتھر کی بنیاد بنائی گئی ہے جس پر مقامِ ابراہیم کے سائز کا سنگ مرمر نصب کیا گیا، اوراس پر مقام ابراہیم کو ثبت کردیا گیا، مقام ابراہیم کا رنگ زرد وسرخ کے درمیان سفیدی مائل ہے اور سائز تقریباً چوکور ہے، مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نیچے والا حصہ اوپر کے حصہ سے قدرے وسیع ہے۔

مزید معلومات ملاحظہ ہو

مقامِ ابراہیم کی بلندی	اوپر کی سمت سے تینوں کونوں کا طول	چوتھے کونے کا طول	بالائی جانب سے محیط	زیریں جانب سے محیط
۲۰ر سینٹی میٹر	۳۶ر سینٹی میٹر	۳۸ر سینٹی میٹر	۱۴۶ر سینٹی میٹر	۱۵۰ر سینٹی میٹر

مقام ابراہیم کا قبہ نما خول

مقام ابراہیم کی حفاظت اوراس کی زیبائش وآرائش کا اہتمام، خلفاء مسلمین نے اپنے اپنے زمانہ میں کیا ہے، اس سلسلے کی ایک کڑی یہ ہے کہ مقام ابراہیم کو چاندی کے ایک صندوق میں محفوظ کیا گیا، اوراس کے اوپر ایک گنبد نما کمرہ بنادیا گیا، جس کا طول وعرض ۶×۳=۱۸۔ مربع میٹر تھا؛ لیکن جب طواف کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی تو یہ کمرہ ان کی راہ میں رکاوٹ اور پریشانی کا سبب بنتا؛ چنانچہ رابطہ عالم اسلامی نے یہ تجویز پیش کی کہ اس کمرہ کی عمارت کو ختم کردیا جائے اور شیشہ کا ایک خول تیار کرکے مقام ابراہیم کو اس میں رکھ دیا جائے یہ تجویز سعودی حکومت نے منظور کی اور پھر شاہی فرمان کے مطابق ۱۸ر۷،

۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء کو اس تجویز پر عمل درآمد ہوا، اس طرح یہ مقام ابراہیم شاندار کریسٹل میں نصب کر دیا گیا جس کے گرد لوہے کی مضبوط جالی لگا دی گئی اور اس کو سنگ مرمر کے بڑے پتھر میں نصب کر دیا گیا جس کا طول وعرض ۱۸۰x۱۳۔سینٹی میٹر=۲،۳۴ مربع میٹر ہے اس اقدام سے مطاف کی ۶، ۱۵۔مربع میٹر جگہ خالی ہوگئی چونکہ پرانے کمرے کی عمارت نے ۱۸ر مربع میٹر جگہ کو گھیر رکھا تھا۔

مقام ابراہیم کے اس نئے خول کے متعلق مزید معلومات

خول کا قطر	شیشہ کی موٹائی	زمین سے مقام ابراہیم کی بلندی	جس پتھر پر مقام ابراہیم نصب ہے اُسکی بلندی	مکمل خول کی بلندی	پیتل کے خول کا وزن	سارے خول کا اجمالی وزن	خول کا اجمالی رقبہ
۸۰ر س م	۱۰ر س م	۱ر میٹر	۷۵ر س م	۳ر میٹر	۶۰۰ر کلو گرام	۱۷۰۰ر کلو گرام	

خول کی تجدید

خادم حرمین شریفین نے شاہی فرمان جاری کیا کہ خول کے معدنی ڈھانچے کو بدل کر پیتل کی دھات سے بنا ہوا خول بنایا جائے اور اندرونی جالی کو سونے کی پالش کی جائے اور بیرونی جانب، ۱۰ر ملی میٹر شفاف شیشہ نصب کیا جائے، اس شیشے کی خوبی یہ ہے کہ شدید حرارت کو برداشت کرتا ہے اور ضرب لگانے سے نہیں ٹوٹتا؛ چنانچہ شیشوں کو لگانے کے بعد مقام ابراہیم میں پاؤں کے نشان صاف دیکھے جا سکتے ہیں، مقام ابراہیم کے نیچے جو کالا پتھر نصب تھا اس کی جگہ سفید سنگ مرمر نصب کر دیا گیا، تاکہ مطاف کے ساتھ سفید رنگ کی مناسبت ہو جائے، یہ ترمیمی عمل بیس لاکھ ریال کی لاگت سے ۲۱ر شوال ۱۴۱۸ھ کو مکمل ہوا۔

(تاریخ مکۃ المکرّمۃ ص: ۷۸ تا ۸۱، مطابع الرشید، المدینۃ المنورۃ)

نوٹ:- واضح رہے کہ اہل علم حضرات مقامِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھونے یا بوسہ لینے سے اس وقت روکتے تھے جب وہ کھلا ہوا تھا اور اب تو وہ خول کے اندر بند کر دیا گیا ہے تو اس خول کا بوسہ لینا یا چھونا اور زیادہ کراہت کا سبب ہوگا۔ (حوالہ سابق)

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمان کو مقامِ ابراہیم کی زیارت کی سعادت سے مستفید فرمائے (آمین)

❍❖❍

پیغمبر اسلام ﷺ سے

غلط فہمیوں کے اَسباب اور اُن کا اِزالہ

مولانا شاہ عالم گورکھپوری نائب ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند

راقم سطور کا موضوع سخن ہے ''پیغمبر اسلام ﷺ اور غلط فہمیاں''۔اس تناظر میں تاریخ اسلام پر نظر ڈالی جائے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ ایک ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے متعلق پیدا ہونے والی غلط فہمیاں اور دوسری ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور ذات سے متعلق پیدا کی جانے والی غلط فہمیاں۔اوّل الذکر یعنی پیغمبر اسلام کی دعوت سے متعلق پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے قرآن مقدس نے ﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ اَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ﴾ (یونس: ۱۶) میں نہایت پر سکون ماحول میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور چالیس سالہ بے داغ زندگی کو پیش کیا۔اس بابت قرآن مقدس کا انداز بیان نہایت سادہ ہے لیکن اپنے اندر ایسا چیلنج رکھتا ہے کہ مخالفین بلکہ اشد مخالفین کے لیے بھی سوائے خاموشی کے اور کوئی جواب نہیں رہ جاتا۔

نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات میں اسلام کے خلاف سب سے پہلے منافقت کا فتنہ پیدا ہوا، منافقین کے شب و روز کا ایک ایک لمحہ ایسا تھا کہ وہ جیتے تھے تو اسلام کو مٹانے کے لیے اور مرتے تھے تو اسلام کو مٹانے کے لیے لیکن منافقت اور مخالفت کی اس حد کو بھی پار کر لینے کے باوجود ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ نبی کی شخصیت اور ذات سے متعلق کوئی انگشت نمائی کر سکیں۔سچ کہا حضرت حسان بن ثابتؓ نے:

وَأَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ ❖ وَأَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ ❖ كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ تأثر کوئی شاعرانہ تخیل نہیں تھا اور نہ ہی محض معتقدانہ خیالات تھے، بلکہ یہ تأثر ان حقائق وصداقت کی ترجمانی میں تھا جس کو لے کر خود خالق کائنات اللہ رب العزت، نبی کی عظمت وعزت کا جھنڈا پوری کائنات میں لہرانا چاہتا تھا، اس حقیقت سے نبی کے مخالفین بھی

اتنا ہی واقف تھے جتنا کہ نبی کے موافقین واقف تھے، حضرت حسان بن ثابتؓ کے انداز بیان میں تو ندرت تھی؛ لیکن جس حقیقت کو وہ بیان کر رہے تھے اس میں کوئی ایسی جدت و ندرت نہیں تھی کہ مخالفین کو اس پر چونکنے کا موقع ملتا، اگر ایسا ہوتا تو مخالفین چونک کر بول اٹھتے اور حضرت حسانؓ کے بیان کردہ تأثرات کی مخالفت میں زمین و آسمان کے قلابے ملا کر ایک کر دیتے، جب آپ کی ذات و شخصیت داغدار ہوتی نظر آتی تو بات کا وزن خود بخود ختم ہو جاتا لیکن تاریخ گواہ ہے کہ ایسا کچھ بھی مخالفین سے ثابت نہیں ہے۔

یہاں ممکن ہے کہ وہ لوگ جو قرآن مجید اور اللہ رب العزت پر ایمان نہیں رکھتے وہ قرآن کے بیان پر توجہ نہ دیں تو ایسے لوگوں کے لیے خود ان کے اپنے گھروں کی وہ شہادتیں درس عبرت ہیں جو اُس وقت کے اشد ترین مخالفین نے پیش کی ہیں اور جن کو تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ رکھا ہوا ہے ملاحظہ فرمائیے حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ "باب قوله تعالىٰ: وَاَنْذِرْعَشِيْرَتَکَ الْاَقْرَبِيْنَ" کے تحت ایک حدیث نقل فرماتے ہیں:

عن ابن عباسؓ قال: لما نزلت: ﴿وَاَنْذِرْعَشِيْرَتَکَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ صعد النبي صلى اللّٰه عليه وسلم على الصّفا، فجعل ينادي يا بني فهر يا بني عديّ لِبطون قريش، حتى اجتمعوا، فجعل الرجل اِذا لم يستطع أن يخرج اَرسل رسولًا لينظر ما هو، فجاء أبولهب وقريش، فقال: أرأيتكم لَو اخبرتكم أن خيلًا بالوادي تريد أن تَغير عليكم أكنتم مصدقيّ؟ قالوا نعم، ما جربنا عليك اِلاّ صدقًا. (بخاری / کتاب التفسیر باب ۷۸۹)

معاملہ یہ تھا کہ خالق کائنات کی طرف سے دین برحق کا نزول شروع ہو چکا تھا اور اب اُس پیغام کو عام کرنے کی اور اہل خاندان کو اس کی دعوت دینے کی باری تھی جس کو لے کر آپ علیہ السلام مبعوث کیے جا رہے تھے۔ اِس کام کے لیے آپ نے سب سے پہلے اس دور کے میڈیا کو بلکہ ہائی ٹیک میڈیا کو استعمال کرتے ہوئے مکہ کی صفا نامی پہاڑی پر چڑھ کر قریش کے ایک ایک خاندان کا نام لے کر سب کو آواز دی، یہ میڈیا اتنا قوی تھا کہ اگر کوئی خود پہنچنے کی پوزیشن میں نہیں تو اس نے اپنے مشاہد بھیجے کہ معاملہ کیا ہے؟ وہ آ کر بلا تاخیر بتائے، ابولہب خود آیا اور قریش کے دوسرے لوگ بھی آئے، سب کو جمع کر کے مجمع عام سے اپنی بات سے پہلے اپنی ذات سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق چاہی تو سب نے بیک زبان ہو کر کھلے دل سے اس کا اعتراف کیا کہ اب تک زندگی میں جب بھی تجربہ کیا تو آپ کو سچا اور امین ہی پایا۔

یہاں قابل غور یہ بات ہے کہ نبی کی ذات پاک کے تقدس و پاکیزگی کی یہ گواہی اپنوں کی طرف سے نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کی طرف سے ہے کہ جن میں اپنے اور غیر کا ابھی کوئی واہمہ بھی پیدا نہیں ہوا تھا، اس موقع سے جب آپ نے اپنی دعوت پیش کی تو تصدیق کے معاً بعد بلا تاخیر مجمع کی طرف سے مخالفت کی آندھیاں بھی چلنے لگیں لیکن اُن میں کسی سے بھی ایسا ممکن نہیں ہوسکا کہ آپ کی حیات طیبہ سے متعلق کوئی کمی کوتاہی نکال کر آپ کے اس بیباک چیلنج کو بے اثر بنا سکتا۔ ہزار مخالفت کے باوجود ابولہب نے بھی آپ کی دعوت کو تو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا لیکن اس کے لیے بھی یہ ناممکن تھا کہ آپ علیہ السلام کی بے داغ زندگی کو نشانہ بناتا۔ اور یہ ہوتا بھی کیسے کہ جب عصمت نبی کا خاصہ ہے اور آپ علیہ السلام نبی برحق اور سلسلہ نبوت کی آخری کڑی تھے۔

مسئلہ یہ ہے کہ جب حقیقت یہ ہے تو ہمارے برادران وطن میں نبی رحمت ﷺ سے متعلق غلط فہمیاں پیدا کیوں ہوتی ہیں؟ اور اس کے اسباب علل کیا ہیں اس زاویے پر ہم بہت کچھ تو کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں لیکن اپنا ایک تجزیہ اور تجربہ ہے اس کو پیش کرتے ہیں۔ جو زیر بحث موضوع سے ہی متعلق ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے تعارف میں ہمارا ہر قدم مذہبی رنگ وروپ میں ہوتا ہے ، مذہبی طرز و انداز اپناتے ہی ہمارے برادران وطن کی نگاہیں بدل جاتی ہیں، اُن کی تبدیلیٔ نگاہ کو عام طور پر ہم تعصب وتنگ نظری پر مبنی قرار دے کر اپنے دل کو تسلی دے لیتے ہیں، لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ایسا بھی کبھی ہوتا ہے لیکن ہر جگہ ایسا ہی ہوا ایسا نہیں ہوتا ہے۔ بات یہ ہوتی ہے کہ اگر اُن میں تعصب نہ بھی ہو تو ہمارا طرز وطریق کچھ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس کو سننے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے ، اگر ہم اس تعارفی خدمت کو خالص مذہبی رنگ کے بجائے علمی رنگ میں پیش کریں تو جب وہ دنیا بھر کی مذہبی اور غیر مذہبی شخصیات کا تعارف سنتے اور سمجھتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ پیغمبر اسلام سے متعلق باتیں نہیں سنیں گے؟۔

اسلام سے اور بانیٔ اسلام سے برادران وطن کو متعارف کرانے کا ایک متبادل اور معتدل راستہ علمی طرز و انداز بھی ہے جس میں مذہبی پیرایہ سے ہٹ کر خالص تحقیقی ومعروضی انداز ہوتا ہے، اگر اس فکر وفن کو فروغ دینے میں ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جائے جو اس طرز و انداز میں کہنہ مشق ہوں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بہت سی پیدا شدہ غلط فہمیاں برادران وطن کے دل ودماغ سے خود بخود نکل جائیں گی۔

بلاشبہ ہمارے سامنے دقت یہ ہے کہ ایک طویل عرصہ سے ابھی مسلمانوں کو مسلمان باقی رکھنے میں

ہماری ساری توانائیاں صرف ہورہی ہیں جس کی وجہ سے ہمارے درمیان اور ہمارے برادران وطن کے درمیان ایک غیر ضروری گہرا فاصلہ بڑھ گیا ہے جو بہت ساری غلط فہمیوں کو جنم دے رہا ہے، اس درمیان اسلام مخالف عناصر نے وقت کا فائدہ یہ اٹھایا کہ وہ زہریلے مواد برادران وطن کے ہاتھوں میں تھما دیئے جس کے مطالعہ نے ان کے فکر و دماغ کو یکسر بدل کر رکھ دیا، ہم ان کے اس مسموم فکر و مزاج کو بدلنے کی تدبیریں تو کیا اپناتے ابھی گھر سے ہی فارغ نہیں ہو پائے، ہماری یہ یکطرفہ مصروفیت کہئے یا یہ کہئے کہ دوسری طرف کی طویل غیر حاضری نے ان کی فکری سمّیت اور زہریلے پن میں ان کو اور پختہ کر دیا۔ اگر ہماری توانائی کا کچھ حصہ اس جانب بھی صرف ہوتا تو برادران وطن کی غلط فہمیاں اس حد تک نہ پہنچتیں۔

اس کی ایک بڑی دلچسپ تاریخ راقم سطور کے سامنے ہے کہ ۱۹۲۴ء میں شہر اٹاوہ (یوپی) میں کچھ لوگ اسلام سے برگشتہ ہوکر قادیانی ہوگئے لیکن وہ اسلام کے نام پر اسلام سے برگشتہ ہوکر خود کو احمدیہ مسلم جماعت کہتے اور احمدیت کے نام سے جس اسلام کا تعارف کراتے تھے چونکہ اس کا کوئی ربط اسلام سے نہیں تھا تو اٹاوہ کے مشہور و معروف صاحب علم پنڈت جناب ''پرشوتم دیوستیہ دھاری'' نے مسلمانوں کی خاموشی پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے یا یہ کہئے کہ مسلمانوں کی کمزوری پر ترس کھاتے ہوئے اُن نام نہاد مسلمان قادیانیوں کو زبردست للکارا اور ان سے کہا کہ تم جس احمدیت کا اسلام نام رکھ کر پرچار کر رہے ہو اس کا تعلق اسلام سے تو کچھ بھی نہیں ہے؟۔ قادیانیوں نے پنڈت پرشوتم داس ستیہ دھاری جی سے کہا کہ حالات کے تقاضے کے تحت مسلمانوں کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو اس دور میں مہدی اور مسیح بنا کر نبوت سے سرفراز کیا ہے۔ پنڈت پرشوتم دیوستیہ دھاری جی نے جواب دیا کہ جو اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے چلا آرہا ہے وہ تو کسی بھی نئی نبوت کا دروازہ بند کر رہا ہے، تم آج کیسے مسلمان پیدا ہوگئے کہ اسلام ہی کے نام پر اسلام میں نبوت کے دروازے کھول رہے ہو؟ اسلام کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہو اور اس کا نام اسلام بتاتے ہو، چلو میں تمھاری بات مان لیتا ہوں تو سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب نبوت کا دروازہ کھول ہی رکھا ہے تو ہم ہندوؤں سے کیا خطا ہوگئی کہ سارے نبی صرف مسلمانوں میں ہی بھیج رہا ہے ہمارے ہندوؤں میں کیوں نہیں نبی بھیجتا؟ اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کی اصلاح کی فکر تو اتنی زیادہ ہے تو ہندوؤں کی کیوں نہیں ہے؟ اور جب نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ اب میں نبی نہ بنوں، چلو آج سے میں نبی ہوں، اب مجھے مانو۔

قادیانیوں نے کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب پر الہام نازل ہوتا ہے اور آپ پر نہیں۔ پنڈت پرشوتم داس ستیہ دھاری جی نے کہا کہ لو میرے اوپر بھی تمہارے مرزا جیسا بلکہ اس سے بہتر عربی زبان میں الہام ابھی نازل ہوا ہے، اب اس پر ایمان لاؤ! اللہ تعالیٰ نے الہام نازل کر کے کہا ہے: ﴿الٓمٓ ذالک الوید لا ریب فیه هدی للمتقین﴾ یہ الہام سن کر سارے قادیانی سٹپٹا گئے۔ پھر قادیانیوں نے ایک اور چال چلی کہ پنڈت جی کو نزول عیسیٰ اور وفات عیسیٰ جیسے خالص علمی بحث میں الجھانے کی کوشش کی کہ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام مر گئے تو یہ پوسٹ کھالی تھی لہٰذا اُن کی جگہ مرزا قادیانی جی مسیح بن کر آ گئے، ۔قادیانیوں کے اس علمی مغالطے کا جواب ''دافع اوہام'' نام سے ایک جلد میں خالص علمی انداز میں ایسا لکھا کہ پنڈت جی کی زندگی میں قادیانی کیا جواب دیتے؛ آج تک کسی قادیانی سے نہ ہوسکا کہ ان کی تصنیف کا جواب دیتا۔

اخیر میں پنڈت پرشوتم دیوستیہ دھاری جی نے یہ بھی چیلنج دیا کہ تم مرزا قادیانی کی صداقت پر یہ دلیل دیتے ہو کہ اس کی پیشین گوئیاں چوں کہ سچی نکلتی ہیں اس لیے وہ اپنے دعوے میں سچا ہے تو قادیانیوں سنو! میں بھی پیشین گوئی کرتا ہوں کہ میری اس کتاب کا جواب تم تین مہینے کے اندر اندر نہیں لکھ سکتے ہو، اگر تم نے جواب اس مدت کے اندر لکھ دیا تو میں جھوٹا اور تم سچے، نہیں تو یاد رکھو میں خدا کا نبی اور سچا ہوں گا اور تم جھوٹے ہو گے۔ الحمدللہ تین کیا چھ مہینے کی مدت گذر گئی جب قادیانیوں سے جواب نہ بن پڑا تو پنڈت پرشوتم داس ستیہ دھاری جی نے اس کی دوسری جلد تصنیف کی اور قادیانیوں پر ایسا اتمام حجت کیا کہ آج تک ان پر سکوت طاری ہے۔

زیر بحث موضوع سے اس واقعہ کا ربط یہ ہے کہ دیکھئے پنڈت پرشوتم داس ستیہ دھاری جی نے اپنے ہندو مذہب پر قائم رہتے ہوئے بھی بانی اسلام اور اسلام کی جو ترجمانی کی ہے اس جیسی مثالیں اور بھی ملیں گی بیشمار ایسے پڑھے لکھے پنڈت، مہاتما، مذہبی دھرم گرو ملیں گے جنھوں نے مختلف زاویہ سے بانی اسلام کی ترجمانی کی ہے، کیا ہمارے بڑوں نے جس طرح اسلام اور بانی اسلام سے پنڈت پرشوتم داس ستیہ دھاری جی کو متعارف کرایا تھا ہمارے کارنامے بھی کچھ ایسے ہیں؟۔ بلاشبہ پنڈت جی مسلمان نہیں تھے لیکن اسلام اور پیغمبر اسلام سے متعلق صحیح معلومات مکمل رکھتے تھے، کیا ہم نے اس طرح کی صحیح معلومات برادران وطن یا غلط فہمیوں میں مبتلا دیگر مذاہب کے لوگوں کو فراہم کرنے کی کوششیں کی ہیں؟۔ اگر نہیں؛ تو اس جانب ہمیں توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

❍❖❍

شعروادب:

کلامِ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

منظوم اردو ترجمانی:- جناب ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی ادارۂ مطالعات فارسی علی گڈھ

یہ حضرت حسان بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ کے دیوان مطبوعہ ۱۹۶۶ء-۱۳۸۵ھ کے قافیۃ الدال کا ساتواں قصیدہ ہے، اس قصیدے میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحۂ وفات پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کیا ہے، دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت بھی بیان کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کی ذات سے وابستہ کچھ یادوں کو تازہ کیا ہے، اور کاغذ کے دامن میں محفوظ کر دیا ہے؛ لیکن کوئی ایسی خلافِ عقل وشریعت بات نہیں کہی ہے، جیسی باتوں سے ہمارے اُردو، فارسی کے تمام اصطلاحی مرثیے لبریز ہیں، اور ہمارے مرثیہ نگار کبھی یہ نہیں سوچتے کہ کسی قابل تعظیم شخصیت کی تعریف میں وہ کتنے مشرکانہ ومبتدعانہ خیالات کی تبلیغ کر رہے ہیں۔

بِطَيْبَةَ رَسْمٌ لِلرَّسُوْلِ وَمَعْهَدُ
مُنِيْرٌ وَقَدْ تَعْفُوْ الرُّسُوْمُ وَتَهْمَدُ

نشانیاں ہیں مدینے میں آج بھی روشن ❖ رسولِ رب دو عالم، جہاں کے رہبرؐ کی
اگرچہ ہوتا ہے ایسا کہ سطح گیتی پر ❖ کہیں کسی کی نشانی سدا نہیں رہتی

○ **سطح گیتی:** روئے زمین۔

وَلَا تَنْمَحِيْ الْآيَاتُ مِنْ دَارِ حُرْمَةٍ
بِهَا مِنْبَرُ الْهَادِيْ الَّذِيْ كَانَ يَصْعَدُ

نہ مٹ سکیں گی یہ روشن نشانیاں ہرگز ❖ مکانِ محترم سرورِ دو عالمؐ کی
یہاں وہ منبرِ اطہر بھی ہے نگاہ نواز ❖ تھی جس کی ہادیٔ عالمؐ سے رونق افزائی

وَوَاضِحُ آيَاتٍ وَبَاقِيْ مَعَالِمٍ
وَرَبْعٌ لَهُ فِيْهِ مُصَلّٰى وَمَسْجِدُ

کئی نشانیاں آقاؐ کی ہیں یہاں موجود ❖ کئی نشان ہیں اِس خطۂ مبارک پر
یہیں پر آپؐ کا مسکن ہے رحمتوں کا امین ❖ ہے جس میں جائے نماز اور مسجدِ سرورؐ

بِهَا حُجُرَاتٌ كَانَ يَنْزِلُ وَسْطَهَا
مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ يُسْتَضَاءُ وَيُوْقَدُ

یہیں ہیں آپؐ کے وہ حجرہ ہائے پاکیزہ ❖ کہ جن میں نور اترا تھا رب کی جانب سے
وہ نور جس سے کیا جاتا تھا، حصولِ ضیا ❖ وہ نور، جس سے دل و جان جگمگاتے تھے

مَعَالِمُ لَمْ تُطْمَسْ عَلَى الْعَهْدِ آيُهَا
أَتَاهَا الْبِلٰى فَالْآيُ مِنْهَا تَجَدَّدُ

یہ وہ نشان ہیں، جن کی نشانیاں ہیں سدا ❖ تغیراتِ زمانہ سے سر بسر محفوظ
قریب آتی ہے بوسیدگی اگر اُن کے ❖ یہ پھر سے ہوتے ہیں، ہو ہو کے تازہ تر محفوظ

سربسر: پورا، پوری طرح۔ **تازہ تر:** زیادہ تازہ، زیادہ نیا۔

عَرَفْتُ بِهَا رَسْمَ الرَّسُوْلِ وَعَهْدَهٗ
وَقَبْرًا بِهٖ وَأَرَاهُ فِيْ التُّرْبِ مُلْحِدُ

نشانیوں سے میں آقاؐ کی خوب واقف ہوں ❖ زمانہ آپؐ کا پھرتا ہے میری آنکھوں میں
وہ قبرِ پاک بھی پہچانتا ہوں میں کہ یہیں ❖ چھپا ہوا، تنِ اقدسؐ ہے جس کے پردوں میں

ظَلِلْتُ بِهَا أَبْكِيْ الرَّسُوْلَ فَأَسْعَدَتْ
عُيُوْنٌ وَمِثْلاَهَا مِنَ الْجَفْنِ تُسْعَدُ

نبیؐ کی یاد میں جب میں ہوا ہوں گریہ کناں ❖ تو میرا ساتھ نبھایا ہے میری آنکھوں نے
بقدر حوصلہ تاکہ ادا ہو حقِ بکاء ❖ اعانت آنکھوں کی، کی خود بخود پپوٹوں نے

گریہ کناں: رویا۔ **حق بکاء:** رونے کا حق۔

تَذَكُّرُ آلاَءَ الرَّسُوْلِ وَمَا أَرٰى
لَهَا مُحْصِيًا نَفْسِيْ فَنَفْسِيْ تَبَلَّدُ

رسولِ پاکؐ نے مجھ پر کئے جو احسانات ❖ نوازشیں تھیں میرے حال پر جو آقاؐ کی
گنوں اُنہیں تو ہیں حدِّ شمار سے باہر ❖ کہ اُن کی یاد سے ہوتی ہے مجھ کو حیرانی

مُـفَـجَّعَةٌ قَـدْ شَـفَّهَـا فَـقْـدُ أَحْـمَـدٍ
فَـظَـلَّـتْ لِآلاَءِ الـرَّسُـوْلِ تُـعَـدِّدُ

میں غم زدہ ہوں وفاتِ رسولِ اکرمؐ سے ❖ غم نہاں نے مجھے کردیا ہے سخت نڈھال
نوازشات کو آقاؐ کی کررہا ہوں شمار ❖ کہ کچھ تو راہ پر آجائے قلبِ زار کا حال

غم نہاں: پوشیدہ غم، دلی غم۔

وَمَـا بَـلَـغَـتْ مِـنْ كُـلِّ أَمْـرٍ عَشِيْـرَهُ
وَلٰـكِـنَّ نَـفْسِـيْ بَـعْـضَ مَا فِيْهِ تَحْمَدُ

ہوا نہ مجھ سے بیاں ایک کا بھی عشر عشیر ❖ نبیؐ کے جس قدر احسان میری ذات پہ ہیں
میں دل کو تھام کے بس کر رہا ہوں یہ کوشش ❖ کہ کچھ تو معرضِ صوت وسخن میں آجائیں

عشر عشیر: سوواں حصہ (ایک فیصد)۔ **معرضِ صوت وسخن میں آجائیں:** بیان ہوجائیں، ذکر ہوجائیں۔

أَطَـالَـتْ وُقُـوْفًـا تَذْرِفُ الْعَيْنُ جُهْدَهَا
عَـلـٰى طَـلَـلِ الْـقَبْـرِ الَّذِيْ فِيْـهِ أَحْمَدُ

کھڑا ہوں دیر سے اس قبر باوقار کے پاس ❖ کہ ہے جو آخری آرام گاہِ خیرِ بشرؐ
نثار کرتی ہیں پیہم نبیؐ کے روضے پر ❖ مری الم زدہ آنکھیں بھی آنسوؤں کے گہر

الم زدہ: رنجیدہ، تکلیف میں مبتلا۔

فَبُـوْرِكْـتَ يَـا قَبْرَ الرَّسُوْلِ وَبُوْرِكْتُ
بِلاَدٌ ثَـوٰى فِيْهَـا الـرَّشِيْـدُ الْـمُسَـدَّدُ

عطا ہوئی ہے سعادت تجھے، اے قبر رسولؐ ❖ سعادتوں کا ہے مسکن یہ شہر طیبہ بھی
جہاں قیام کیا تھا رسولِ اکرمؐ نے ❖ جنہیں خدا نے بنایا تھا ہادی و مہدی

ہادی: ہدایت دینے والا۔ **مہدی:** ہدایت یافتہ۔

وَبُـوْرِكَ لَـحْـدٌ مِـنْكَ ضُـمِّنَ طَيِّبًـا
عَـلَيْـهِ بِـنَـاءٌ مِـنْ صَـفِيْـحٍ، مُـنَـضَّـدُ

ہے تیری لحد بھی مبروک جس میں رکھا گیا ❖ جہاں کی سب سے مقدس ترین ہستی کو
ہے لحدِ پاک کا سر پوش ایک پختہ بنا ❖ چنی گئی ہے حسیں تختہ ہائے سنگ سے جو

لحد: قبر،بغلی قبر۔ **مبروک:** بابرکت۔ **بنا:** بنیاد،عمارت،بناوٹ۔ **تختہ ہائے سنگ:** پتھر کی پٹیاں،پتھر کی سلیں۔

تَهِيْلُ عَلَيْهِ التُّرَابُ أَيْدٍ وَأَعْيُنٌ
عَلَيْهِ وَقَدْ غَارَتْ بِذٰلِكَ أَسْعَدُ

نبیؐ کی قبر پہ جب ڈالتے تھے مٹی ہاتھ ❖ رواں تھیں ساتھ ہی آنکھوں سے اشک کی جھڑیاں
تو ایسا لگتا تھا، آقاؐ کے ساتھ ہی جیسے ❖ جہاں کی برکتیں سب خاک میں ہوئیں پنہاں

پنہاں: پوشیدہ،چھپا ہوا۔

لَقَدْ غَيَّبُوْا حِلْمًا وَعِلْمًا وَرَحْمَةً
عَشِيَّةً عَلُوُّهُ الثَّرىٰ، لَا يُوَسَّدُ

وہ شام، لحد کو سونپا گیا جب آقاؐ کو ❖ کہ جس کی مٹی تھی نم اور کوئی تکیہ نہ تھا
نہیں ہے شک کوئی اس میں کہ لوگوں سے اس شام ❖ خزانہ ہوگیا کم: حلم و علم و رحمت کا

وَرَاحُوْا بِحُزْنٍ، لَيْسَ فِيْهِمْ نَبِيُّهُمْ
وَقَدْ وَهَنَتْ مِنْهُمْ ظُهُوْرٌ وَ أَعْضُدُ

ہٹے وہ قبر مبارک کے پاس سے غمگین ❖ کہ غم تھا اُن کو، نبیؐ اُن کے درمیاں نہ رہے
یہ ایسا صدمہ تھا، جس سے ہوا یہ حال اُن کا ❖ ہو پشت و بازو میں اُن کے نہ کچھ سکت جیسے

پشت وبازو: کمر اور بانہیں۔

يُبَكُّوْنَ مَنْ تَبْكِيْ السَّمٰوَاتُ يَوْمَهٗ
وَمَنْ قَدْ بَكَتْهُ الْأَرْضُ فَالنَّاسُ أَلْمَدُ

وہ، اُن کی یاد میں گریہ کناں رہے اُس دن ❖ کہ جن کی یاد میں گریاں تھے آسمان و زمیں
یہ غم ہی ایسا تھا، سب بے قرار تھے جس سے ❖ تمام لوگ تھے اِک، اِک سے بڑھ کے زاروحزیں

زاروحزیں: رنجیدہ،غمگین،بہت رنجیدہ۔ □□□ (جاری)

کتاب المسائل:

مفتی محمد سلمان منصور پوری

اِیلاء کے مسائل

اِیلاء کی لغوی تعریف

عربی زبان میں اِیلاء کے معنی ''مطلق قسم کھانے'' کے آتے ہیں۔

فالإيلاء في اللغة: عبارة عن اليمين، يقال: آلىٰ أي حلف. (بدائع الصنائع ۲۵۳/۳)

زمانۂ جاہلیت میں اِیلاء کا تصور

اسلام کی آمد سے قبل زمانۂ جاہلیت میں ایلاء کو عورت کی ایذاء رسانی کے لئے بطور ہتھیار استعمال کیا جاتا تھا، جب کوئی مرد اپنی بیوی سے ناراض ہوتا تو لمبی مدت کے لئے اُس کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیتا تھا، جس کی وجہ سے عورت معلقہ بن کر رہ جاتی تھی، نہ تو شوہر اُس کا حق ادا کرتا تھا، اور نہ ہی وہ آزاد ہو کر کسی دوسرے سے نکاح کر سکتی تھی۔

قال عبد اللّٰه بن عباس رضي اللّٰه عنهما: كان إيلاء الجاهلية السنة والسنتين، وأكثر من ذٰلك، يقصدون بذٰلك إيذاء المرأة عند المساء ة. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ۱۰۳/۳)

كان الرجل في الجاهلية إذا غضب من زوجته حلف أن لا يطأها السنة والسنتين، أو أن لا يطأها أبدًا، ويمضي في يمينه من غير لومٍ أو حرجٍ، وقد تقضي المرأة عمرَها كالمعلقة، فلا هي زوجةٌ تتمتع بحقوق الزوجة، ولا هي مطلقةٌ تستطيع أن تتزوج برجلٍ آخر، فيغنيه اللّٰه من سعته. (الموسوعة الفقهية ۲۲۱/۷ كويت، المكتبة الشاملة)

شریعت کی نظر میں ''اِیلاء'' کا مفہوم

چوں کہ طویل المیعاد مدت تک اِیلاء کو باقی رکھنے میں عورت کی شدید حق تلفی ہوتی تھی، اِس لئے اِسلامی شریعت میں اِس معاملہ میں وقت کی تحدید کر دی گئی، اور وہ تحدید آزاد عورت کے حق میں چار مہینے اور باندی کے حق میں دو مہینے ہے۔ پس اگر کوئی شخص اپنی آزاد بیوی سے چار مہینے یا اُس سے زیادہ مدت تک جماع نہ کرنے کی قسم کھالے، تو اگر چار مہینے کے اندر اُس سے جماع نہ کیا تو یہ مدت گذرتے ہی اُس پر ایک طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی، اور بیوی نکاح سے باہر ہو جائے گی۔ اور اگر چار مہینے کے اندر جماع کر لیا تو قسم ٹوٹ جائے گی، جس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا؛ لیکن کوئی طلاق یا تفریق واقع نہ ہوگی۔

چناں چہ قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا گیا:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآئُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ.	جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس جانے سے قسم کھا لیتے ہیں، اُن کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے، پھر اگر باہم مل گئے تو

وَاِنْ عَزَمُوْا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ. (البقرة: ۲۲۶-۲۲۷)

اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور اگر طلاق کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

بلاشبہ اِس بارے میں شریعت کا مقرر کردہ اُصول ہر اعتبار سے بہتر اور انجام کے اعتبار سے مفید ہے، اِس کی وجہ سے بیوی معلقہ بننے سے بچ جاتی ہے، اور شوہر کو اُس پر صریح ظلم کا موقع نہیں رہتا۔

فلما جاء الإسلام أنصف المرأة ووضع للإيلاء أحكامًا خففت من إضراره، وحدد للمولي أربعة أشهرٍ، وألزمه إما بالرجوع إلىٰ معاشرة زوجه وإما بالطلاق عليه. (الموسوعة الفقهية ۲۲۱/۷ كويت، المكتبة الشاملة)

هو الحلف علىٰ ترک قِربانها مدته الخ. وحكمه وقوع طلقة بائنة إن برّ ولم يطأ الخ. والمدة أقلها للحرة أربعة أشهر ولا حد لأكثرها فلا إيلاء بحلفه على أقل من الأقلين. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الطلاق ۵۷/۵-۶۱ زكريا، مجمع الأنهر ۹۴/۲-۹۵، البحر الرائق ۱۰۰/۴، مستفاد: مسائل بهشتی زیور ۵۳۷/۱)

چار مہینے کی مدت کی تعیین کیوں؟

یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ شریعت نے اِیلاء کے مسئلہ میں چار مہینے کی مدت ہی کیوں متعین کی؟ اِس کی کیا وجہ ہے؟ تو اِس بارے میں حضراتِ علماء نے یہ لکھا ہے کہ عام حالات میں عورت کے لئے چار مہینے سے زیادہ شوہر سے الگ رہنا مشکل ہوتا ہے۔ چناں چہ منقول ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ رات میں مدینہ منورہ میں گشت فرما رہے تھے، تو آپ نے ایک گھر سے چند اشعار کی آواز سنی، جن میں کوئی عورت اپنے شوہر کی جدائی پر بے قراری کا اظہار کررہی تھی، صبح کو آپ نے اُس عورت کو بلایا، اور اُس سے پوچھا کہ تمہارا شوہر کہاں ہے؟ تو اُس نے کہا کہ آپ نے اُس کو عراق کی جنگ میں بھیج رکھا ہے، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیگر عورتوں سے اِس کی تحقیق کی کہ عورت زیادہ سے زیادہ کتنے دن تک شوہر کی جدائی پر صبر کرسکتی ہے؟ تو یہ بات واضح ہوئی کہ چار مہینے کی مدت پر عورت کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوجاتا ہے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کردیا کہ کسی بھی سپاہی کو چار مہینے سے زیادہ بیک وقت جہاد کے لئے نہ بھیجا جائے، اور ایسا نظام بنایا جائے کہ ہر سپاہی چار مہینے میں گھر لوٹ آئے، پھر اُس کی جگہ دوسرے کو بھیجا جائے۔

وقد قيل: الأربعة الأشهر هي التي لا تستطيع ذات الزوج أن تصبر عنه أكثر منها؛ وقد روي أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه كان يطوف ليلة بالمدينة، فسمع امرأة تنشد:

ألا طال هٰذا الليل واسود جانبه ❖ وأرّقني أن لا حبيب ألاعبه

فوالله لولا الله لا شيء غيره ❖ لزُعزع من هٰذا السرير جوانبه

مخافة ربي والحياء يكفّني ❖ وإكرامَ بعلي أن تُنال مراكِبُه

فلما كان من الغد استدعى عمر بتلك المرأة قال لها: أين زوجك؟ فقالت: بعثتَ به إلى العراق! فاستدعى نساء، فسألهن عن المرأة كم مقدار ما تصبر عن زوجها؟ فقلن شهرين، ويَقِلّ صبرها في ثلاثة أشهر، وينفَدُ صبرها في أربعة أشهر، فجعل عمر مدة غزوِ الرجل أربعة أشهر؛ فإذا مضت أربعةُ أشهر استردّ الغازين ووجه بقوم آخرين؛ وهٰذا والله أعلم يقوي اختصاص مدة الإيلاء بأربعة أشهر. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي / سورة البقرة ۱۰۲/۲ دار الفكر بيروت)

چار مہینے سے کم میں صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا

ایلاء شرعی کے وقوع کے لئے چار مہینہ یا اُس سے زیادہ مدت میں بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا شرط ہے، پس اگر کوئی شخص چار مہینے سے کم مدت میں صحبت نہ کرنے کی قسم کھائے، یا چار مہینے میں سے ایک دن کا بھی استثنیٰ کر کے قسم کھائے، تو اُس سے ایلاء کا وقوع نہ ہوگا۔ یعنی مذکورہ مدت بغیر صحبت کے گذر جانے پر بیوی پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی؛ (البتہ اگر اِس مدت میں صحبت کر لی تو حانث ہونے کی وجہ سے شوہر پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا)

الإيلاء: هو اليمين علىٰ ترك وطء المنكوحة أربعة أشهر، حتى لو عقد يمينه علىٰ ترك وطء المنكوحة أقل من أربعة أشهر لا يكون الإيلاء؛ بل يكون يميناً. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۱۸٤/٥ زكريا)

نبی اکرم ﷺ کا ایلاء صوری فرمانا

بعض وجوہات کی وجہ سے ناگواری پیش آنے کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تنبیہ ایک مہینے تک ازواجِ مطہرات کے پاس نہ جانے کی قسم کھالی تھی؛ چناں چہ ایک مہینے تک آپ سب ازواجِ مطہرات سے الگ ہو کر بالا خانے میں تشریف فرما رہے، اور جب مہینہ (۲۹ دن کا) پورا ہوا، اور آیاتِ تخییر نازل ہوئیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، اور اُنہیں آیاتِ تخییر سنا کر اپنے والدین محترمین سے مشورہ کے بعد کوئی فیصلہ کرنے کی تلقین کی، چناں چہ بشمولِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سبھی اَزواجِ مطہرات نے دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دیتے ہوئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وفاداری کا اظہار کیا۔ اِس بارے میں تفصیلی روایات بخاری شریف، کتاب المظالم والغصب / باب اماطۃ الاذیٰ حدیث نمبر: ۲۴۶۸ اور مسلم شریف وغیرہ میں موجود ہیں۔

اِس واقعہ میں چوں کہ چار مہینے یا اُس سے زیادہ کی قسم نہیں کھائی گئی ہے، اِس لئے یہ واقعہ ''اِیلاء شرعی'' کا تو نہیں ہے؛ البتہ صورۃً یہ اِیلاء ہے، اِسی لئے حدیث کی بعض روایات میں اِس پر بھی اِیلاء کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔

تاہم اِس میں کوئی طلاق یا کفارہ وغیرہ واجب نہیں ہوا؛ کیوں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مہینے تک اَزواجِ مطہرات کے پاس نہ جانے کی اپنی قسم پوری فرمالی تھی۔

ذیل میں ایلاء سے متعلق چند اہم مسائل ذکر کئے جا رہے ہیں:

اِیلاء کا رکن

اِیلاء شرعی کا رکن یہ ہے کہ شوہر اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی قسم کھا کر (یا شرط وجزاء کے ذریعہ اپنے اوپر ایسی چیز لازم کر کے جس کو عمل میں لانا اُس پر شاق ہو) ایسا لفظ بولے جو بیوی سے چار مہینے یا اُس سے زائد جماع نہ کرنے پر دلیل ہو، مثلاً یہ کہے کہ: ''اللہ کی قسم میں کبھی بیوی کے پاس نہ جاؤں گا''۔ یا مثلاً یہ کہے کہ: ''اگر میں بیوی سے جماع کروں، تو مجھ پر پانچ سو روپے صدقہ کرنا لازم ہے''، وغیرہ۔

پس معلوم ہوا کہ اگر قسم کھائے بغیر شوہر مطلقاً بیوی کے پاس جانے سے رک جائے تو اِیلاء کا تحقق نہ ہوگا۔

وأما ركنه: فهو اللفظ الدالُ علىٰ منع النفس عن الجمع في الفرج مؤكدًا باليمين باللّٰه تعالىٰ أو بصفاتهٖ أو باليمين بالشرط والجزاء. حتى لو امتنع من جماعها أو هجرها سنة أو أكثر من ذٰلک، لم يكن موليًا ما لم يأت بلفظ يدل عليه؛ لأن الإيلاء يمينٌ لما ذكرناه، واليمين تصرف قولي، فلا بد من القول. (بدائع الصنائع ۲۵٤/۳)

والإيلاء في الاصطلاح: يعرفه الحنفية أن يحلف الزوج باللّٰه تعالىٰ أو بصفة من صفاتهٖ الذي يحلف بها: أن لا يقرب زوجته أربعة أشهر أو أكثر، أو أن يعلق علىٰ قربانها أمرًا فيه مشقة علىٰ نفسه الخ. (الموسوعة الفقهية ۲۲۱/۷ كويت المكتبة الشاملة)

ایلاء کی مدت

آزاد عورت کے حق میں ایلاء کی مدت کم از کم چار مہینے اور باندی کے لئے دو مہینے ہے۔

والمدة أقلها للحرة أربعة أشهر، وللأمة شهران، ولا حد لأكثرها، فلا إيلاء علىٰ أقل من الأقلين. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ٦١/٥)

ایلاء کا حکم

ایلاء کا حکم یہ ہے کہ اگر چار مہینے تک بیوی سے صحبت نہ کی تو بیوی پر ایک طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی۔ اور اگر متعینہ مدت کے اندر صحبت کر لی، تو اُس پر قسم کا کفارہ (یا جزاءِ معلق) واجب ہوگا، اور بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

وحكمه وقوع طلقة بائنةٍ إن برَّ ولم يطأ. ولزم الكفارة أو الجزاء المعلق إن حنث بالقربان أي الوطء حقيقة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ٦٠/٥-٦١)

گونگے شخص کی طرف سے اِیلاء

اگر شوہر گونگا ہے؛ لیکن تحریر یا اِشارۂ معہودہ سے اُس کی طرف سے اِیلاء کرنے کا پختہ ثبوت ہوجائے، تو اُس کا اِیلاء معتبر ہوجائے گا، اور اِیلاء کے احکامات اُس پر اور اُس کی بیوی پر جاری ہوں گے۔

وإيلاء الأخرس بما يفهم منه من كتابة أو إشارة مفهومة لا زم له. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبی ۱۰۳/۳)

غصہ میں اِیلاء

اگر کوئی شخص غصہ میں ایلاء کے صریح الفاظ بولے تو بھی اُس کا ایلاء بلاشبہ معتبر ہوجائے گا، اور اُس کے احکام اُس پر جاری ہوں گے۔

قال ابن المنذر: وهٰذا أصح؛ لأنهم لما أجمعوا أن الظهار والطلاق وسائر الأيمانِ، سواء في حال الغضب والرضا، كان الإيلاء كذٰلك. قلت: ويدل عليه عموم القرآن، وتخصيص حالة الغضب يحتاج إلىٰ دليل، ولا يؤخذ من وجهٍ يلزم، والله أعلم. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ۱۰۶/۳)

زبردستی شوہر سے اِیلاء کے الفاظ کہلوانے کا حکم

اگر شوہر کو ڈرا دھمکا کر زبردستی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم لی جائے، تو بھی حسبِ شرائط اِیلاء کا حکم نافذ ہوجاتا ہے۔

أما عند الحنفية فإيلاء المكره معتبرة وترتب عليه آثاره التي سيأتي بيانها؛ لأن الإيلاء عندهم من التصرفات التي تصح مع الإكراه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۲۵/۷ المكتبة الشاملة)

غیر مدخولہ سے اِیلاء

اِیلاء کی صحت کے لئے بیوی کا مدخولہ ہونا ضروری نہیں؛ لہٰذا جس طرح مدخولہ سے ایلاء معتبر ہے، اسی طرح غیر مدخولہ سے بھی ایلاء نافذ ہے۔

المدخول بها وغير المدخول بها سواءٌ في لزوم الإيلاء فيهما. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ۱۰۷/۳)

❐❐❐

ذکرِ رفتگاں:

زندگانی تھی تیری مہتاب سے بالاتر

والد محترم حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سیتاپوری نوراللہ مرقدہٗ سے وابستہ کچھ یادیں

تحریر: مولانا محمد نجیب الرحمٰن ندوی قاسمی بن حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحبؒ

اللہ رب العزت نے یہ دنیا ایسی بنائی ہے کہ اس میں غم اور خوشی، راحت اور تکلیف دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں ﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا﴾ نہ یہاں خوشی خالص ہے اور نہ غم اس لئے یہاں صدموں اور غموں کا پیش آنا کوئی اچنبھے کی بات ہے اور نہ کوئی غیر معمولی چیز، لیکن بعض صدمے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا اثر امت کے ایک بڑے طبقہ پر پڑتا ہے، اور اس کے اثرات کی وجہ سے ان کے زخم کا مندمل ہونا آسان نہیں ہوتا۔ ایسا ہی ایک صدمہ جو اب تک میری زندگی کا عظیم ترین صدمہ ہے وہ ابھی چند روز قبل ۲۴؍جولائی ۲۰۱۶ء مطابق ۱۸؍شوال المکرّم ۱۴۳۷ھ بروز یکشنبہ تقریباً نصف شب کو والد ماجد حضرت اقدس الحاج مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب نوراللہ مرقدہ خلیفہ طبیب الامۃ حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم کی اچانک ہوئی وفات کی شکل میں پیش آیا۔ یقیناً یہ ایک ایسا حادثہ ہے جس کو برداشت کرنا تقریباً ناممکن ثابت ہو رہا ہے، قلب میں عجیب اضطرابی کیفیت ہے، والدہ کو تکلیف نہ ہو اس لئے آنسوؤں کو پینا پڑ رہا ہے، ہاتھوں میں لرزہ طاری ہے، عقل دنگ ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ بات کہاں سے شروع کی جائے، ایک ایسے امر کو جس کی توقع نہ کی تھی کس طرح قلم بند کیا جائے، وفات سے ایک گھنٹہ قبل تک جس کے ساتھ نہایت ہمدردانہ ومشفقانہ گفتگو ہو رہی تھی اچانک ہوئی اس کی وفات کو کس طرح بیان کیا جائے۔ بہر کیف اللہ مددگار ہے اسی پر بھروسہ وتوکل کرتے ہوئے آپؒ کی حیات مبارکہ کے مختصر حالات قلم بند کر رہا ہوں، اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعاء گو ہوں کہ اللہ رب العزت اس کا ثواب حضرت والد صاحبؒ کی روح کو پہنچائے، اللہ رب العزت راقم اور تمام اہل خانہ خصوصاً والدہ محترمہ کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

موت اس کی ہے جس پہ زمانہ کرے افسوس ❖ یوں تو دنیا میں سبھی آتے ہیں مرنے کے لئے

پیدائش وخاندانی پس منظر:- حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سیتاپور ضلع کی ایک مردم خیز بستی تمبور کے ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جہاں علمی ماحول نہ تھا، کاشت کاری اور مزدوری کے ذریعہ گھر کے

امور نہایت تنگ دستی کے ساتھ انجام پاتے تھے، چونکہ خاندان میں پڑھنے لکھنے کا رواج نہ تھا اس لئے آپؒ کی صحیح تاریخ پیدائش نہیں بتائی جاسکتی، البتہ سرکاری کاغذات پر درج تاریخ کے اعتبار سے آپؒ کی تاریخ پیدائش ۲۶ رمئی ۱۹۵۲ء ہے۔

تعلیم:- حضرت والد صاحب کے خاندان میں بے پناہ غربت تھی، تعلیمی اعتبار سے بڑی پسماندگی تھی، جس کا اثر اب تک باقی ہے، اور آج بھی ہمارے خاندان میں اہل علم کی تعداد بہت معمولی ہے، خود حضرت والد صاحبؒ اپنے تمام بھائی بہنوں میں اکیلے پڑھے لکھے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپؒ حفظ قرآن نہ کر سکے تھے اور زندگی بھر اس کا ملال کرتے رہے یہاں تک کہ وفات سے ایک روز قبل بھی راقم سے حفظ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن شاید خدا کو یہ منظور نہ تھا، آپؒ نے تعلیم کی ابتدا اپنے وطن تمبور ضلع سیتاپور کے ایک تاریخی ادارہ مدرسہ اسلامیہ ضیاء العلوم سے کی، جہاں آپؒ نے پرائمری درجات کے علاوہ فارسی اور عربی اول کی تعلیم حاصل کی، درمیان میں رکاوٹیں بھی پیش آئیں، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ دادا مرحوم نے تعلیم منقطع کرادی لیکن آپ کے استاذ حضرت مولانا احمد علی صاحب تمبوریؒ نے اپنی سرپرستی میں دوبارہ داخل کرایا، اور تعلیم کا یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوا، حصول تعلیم کے سلسلہ میں آپؒ ۱۹۶۶ء میں پہلی مرتبہ وطن سے باہر نکلے اور زید پور ضلع بارہ بنکی تشریف لے گئے، ۱۹۶۷ء میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے اور وہاں درجہ پنجم تک تعلیم حاصل کی، ۱۹۷۰ء میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے حتی کہ ۱۹۷۳ء میں آپؒ نے دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی اور اس کے بعد ۱۹۷۴ء میں دارالعلوم دیوبند ہی سے تکمیل افتاء کیا۔

دوران تعلیم آپؒ نے سخت مصائب کا سامنا کیا، پیسوں کی سخت قلت تھی، کئی کئی روز تک ناشتہ نہیں کرتے تھے، سہارنپور آنے کے لئے تمبور سے لہرپور تک جو کہ تقریبا پچیس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے سر پر صندوق رکھ کر پیدل آتے جاتے تھے، مطالعہ کا اتنا شوق تھا کہ دارالعلوم کے راستوں میں جلنے والے چراغوں تلے دیر رات تک مطالعہ کیا کرتے تھے۔

تدریس:- تعلیم کی تکمیل کے بعد حضرت والد صاحبؒ اور آپ کے رفیق حضرت مولانا مفتی محمد میاں صاحب دامت برکاتہم چھٹمل پور ضلع سہارنپور تشریف لے گئے اور بحیثیت مدرس ان دونوں حضرات کا تقرر مدرسہ کاشف العلوم چھٹمل پور میں ہوا، دریں اثناء ۲۶ رجون ۱۹۷۵ء کو آپؒ کا نکاح ہوا، ۱۹۷۶ء میں آپ مرادآباد تشریف لے آئے اور محلّہ پیرزادہ کے مدرسہ حیات العلوم میں آپ کا تقرر ہوا، ۱۹۸۲ء تک آپ نے نہایت کامیابی کے ساتھ درس دیا، ۱۹۸۳ء میں آپ کا تقرر دارالعلوم جامع الہدیٰ گلشہید میں ہوا

اور اخیر تک آپ نے وہاں تدریسی خدمات انجام دیں اور ساتھ ہی ساتھ دارالافتاء کی ذمہ داری سنبھالے رہے۔ آپؒ نے مشکوٰۃ المصابیح، ہدایہ، سنن ترمذی اور دیگر اہم کتب کا درس نہایت کامیابی کے ساتھ دیا، سنن ترمذی اور ہدایہ آخرین اخیر تک آپ سے متعلق رہیں۔

درس قرآن:- مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ حضرت والد صاحبؒ کا معمول تھا کہ آپ روزانہ جامع مسجد تشریف لے جاتے اور فجر کی نماز کے بعد سے اشراق تک قرآن کریم کا ترجمہ کرتے تھے۔ درس قرآن کا یہ سلسلہ ۲۴ رمئی ۲۰۱۶ء آپؒ کے عمرہ کے لئے حجاز مقدس جانے سے قبل تک جاری رہا جس کا سلسلہ تقریباً پچھلے تیس برس سے چلا آرہا تھا، رمضان المبارک میں ترجمہ کرنے کا معمول نہ تھا اور ابھی عید کے بعد اس سلسلہ کی شروعات بھی نہ ہو پائی تھی کہ اللہ رب العزت کا بلاوا آگیا۔ جامع مسجد میں ترجمہ قرآن کے علاوہ آپ نے ترجمہ قرآن بعد نماز عشاء محلّہ پیرزادہ کی چاقو والی مسجد میں بھی کرنا شروع کیا تھا لیکن چند وجوہات کی بنا پر یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک قائم نہ رہا۔ اس کے علاوہ شہر کے متعدد مقامات پر درس قرآن یا درس حدیث کے سلسلے وقتاً فوقتاً چلتے رہے۔

بیعت وارشاد:- حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج تھا کہ بزرگوں اور اساتذہ سے اصلاحی تعلقات رکھتے تھے؛ لیکن باقاعدہ سب سے پہلے آپ نے اپنا اصلاحی تعلق محی السنّہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی نوراللہ مرقدہ سے قائم کیا، اور تقریباً بیس پچیس سال قبل حیدرآباد میں حضرت محی السنّہؒ سے بیعت ہوئے اور حضرت کی وفات تک یہ اصلاحی تعلق قائم رہا، حضرت محی السنّہؒ کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپؒ کو قلبی عارضہ لاحق ہوگیا، جس کے علاج کے سلسلہ میں آپؒ نے علی گڑھ میں طبیب الامۃ حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم کے پاس آنا جانا شروع کیا، اور چند ہی اسفار کے بعد آپؒ حکیم صاحب مدظلہ سے بیعت ہوگئے، جلد ہی حضرت حکیم صاحب دامت برکاتہم نے ۱۸ رد سمبر ۲۰۰۹ء مطابق یکم محرم الحرام ۱۴۳۱ھ کو مسجد نبوی مدینہ منورہ میں آپ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت والد صاحبؒ نے اپنی وفات یعنی ۲۴ رجولائی ۲۰۱۶ء تک اپنا یہ اصلاحی تعلق قائم رکھا۔

خطابت:- خطابت حضرت والد صاحبؒ کا اصل میدان تھا نہ صرف علاقہ بلکہ پورے ملک میں آپؒ ایک مقرر کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے، راقم نے حضرت والد صاحبؒ کی بہت زیادہ تقاریر نہیں سنیں لیکن جتنی سنی ہیں ان کی اساس پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ دو صفات آپؒ کی تقریروں کا خاصہ تھیں:

(۱) کسی واقعہ کو تاریخی وجغرافیائی حیثیت سے بیان کرنا اور اسے حالات حاضرہ پر منطبق کرنا۔

(۲) عوامی زبان اور سلیس اردو کو اپنی تقاریر میں استعمال کرنا چنانچہ آپؒ بالکلیہ بھاری بھرکم الفاظ سے اجتناب کرتے تھے۔

اخلاق وشمائل:- اللہ رب العزت نے حضرت والد صاحبؒ کو نہایت اعلیٰ اخلاق کا مالک بنایا تھا، آپؒ کا سب سے بڑا خاصہ یہ تھا کہ آپ مجلس کے اعتبار سے خود کو ڈھال لیتے تھے، چنانچہ آپؒ عوام کی مجلس میں ایک عام آدمی، علماء کی مجلس میں ایک وقیع عالم دین، محدثین کی مجلس میں ایک ماہر محدث اور فقہاء کی مجلس میں ایک بہترین فقیہ ہوتے تھے۔ آپؒ کی ذات میں تصنع نام کی کوئی چیز نہ تھی، نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے، اگر کوئی تقریر کرنے کے لئے بلاتا تو بغیر کسی چوں وچرا کے اس کے ساتھ تشریف لے جاتے، ہر کسی کی دعوت پر نکاح پڑھانے چلے جاتے ہاں اگر کسی نکاح کی مجلس میں خرافات ہوتیں تو اس کی سخت نکیر کرتے اور مجلس میں شرکت نہ فرماتے، آپؒ بڑوں کی عزت کرتے، چھوٹوں پر شفقت کرتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، جس کسی سے ملتے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرتے۔

وفات:- ۲۳ر جولائی ۲۰۱۶ء بروز شنبہ دن کی شروعات حضرت والد صاحبؒ نے معمول کے مطابق کی، تہجد میں بیدار ہوئے اور نماز تہجد ادا کی، عید الفطر کے بعد آج پہلے دن جامع مسجد جانے کا ارادہ فرمایا لیکن شدید بارش کی وجہ سے تشریف نہ لے جاسکے، حسب معمول مدرسہ تشریف لے گئے اور دن کے دیگر امور معمول کے مطابق انجام دئے، شب میں تقریباً ۱۱ر بجے تک تمام اہل خانہ کے ساتھ ہمدردانہ ومشفقانہ گفتگو ہوتی رہی، اس کے بعد آپؒ بستر آرام پر تشریف لے گئے، ۲۴ر جولائی ۲۰۱۶ء مطابق ۱۸ر شوال المکرّم ۱۴۳۷ھ بروز یکشنبہ رات کو تقریباً بارہ بج کر پچیس منٹ پر والدہ کی چیخ سنائی دی اوپر جاکر دیکھا تو حضرت والد صاحبؒ پر سکون وطمانینت کی چادر تنی ہوئی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تھکا ماندہ مسافر، ہر دم جواں، ہر لمحہ دواں، کچھ کر گزرنے کی صلاحیت کا مالک، جفاکش، علم کا شیدائی، جس کو کبھی آرام وراحت کے لمحات میسر نہ آتے تھے، اب جاکر منزل مقصود کی حصولیابی کے بعد چین کی نیند سو رہا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

وہ عاجز کہ جسے چین نہ تھا بستر گل پر ❖ اب چھوڑ کر سب راحت وآرام پڑا ہے

اخیر میں ہم اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعاء گو ہیں کہ اللہ حضرت والد صاحبؒ کی مغفرت فرمائے، کروٹ کروٹ چین وسکون نصیب فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، پسماندگان خاص طور پر والدہ کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے اور ان کا بابرکت سایہ تادیر قائم فرمائے، آمین۔

❍❖❍

داغ جگر

حضرت اقدس الحاج مولانا مفتی عبدالرؤف صاحبؒ خلیفہ ومجاز بیعت حضرت اقدس حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم کے سانحہ ارتحال پر ایک تعزیتی نظم

ازنتیجہ فکر: قاری شکیل الرحمٰن صاحب تابشؔ ناظم مدرسہ قوت الدین محلّہ لاجپت نگر مرادآباد

ہے جو غم میں آپ کے ہر آنکھ تر عبدالرؤف ❖ دے گئے ہر شخص کو داغ جگر عبد الرؤف
ہو گئے ہیں آپ تو دو ہچکیاں لے کر خموش ❖ آپ کا گھر بن گیا ماتم کا گھر عبد الرؤف
بارہ پچیس تھے گھڑی میں آپ کے وقت نزع ❖ دیکھتے ہی رہ گئے سب چارہ گر عبد الرؤف
سانحہ کی آپ کے لوگوں میں جب پھیلی خبر ❖ بن گیا تصویر غم سارا نگر عبد الرؤف
جب چلے کفنا کے ان کو دیکھ کر ایسا لگا ❖ جا رہے ہیں آج بن کے تاجور عبد الرؤف
وائے حسرت ہر نصیحت دل کی دل میں رہ گئی ❖ وقت کی افتاد سے تھے بے خبر عبد الرؤف
دل میں کہنے کے لئے باتیں تو ہونگی سیکڑوں ❖ کہہ نہ پائے بات کوئی بھی مگر عبد الرؤف
اہل خانہ کی نہ بڑھتی اس قدر بے چینیاں ❖ بات دل کی اپنے کہہ جاتے اگر عبد الرؤف
اُس جگہ سے لوٹ کر آیا نہ کوئی آئے گا ❖ جس جگہ ہیں آپ سب کو چھوڑ کر عبد الرؤف
تھا بزرگوں سے تعلق اور تعلق میں خلوص ❖ اس طرح سے ہو گئے ہیں نامور عبد الرؤف
کیا بتاؤں کیا تھے وہ ایک نیک دل انسان تھے ❖ بات حق کہتے تھے بے خوف وخطر عبد الرؤف
جو بیان و گفتگو میں آپ کے تاثیر تھی ❖ سب کو آتا ہے کہاں ایسا ہنر عبد الرؤف
آپ کے اخلاق اور اوصاف تھے کتنے بلند ❖ آپ سا کوئی نہیں آتا نظر عبد الرؤف
جب بھی ملتے ہر کسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ❖ آپ مشفق تھے ہمارے کس قدر عبد الرؤف
تھی جنہیں تم سے محبت کہہ رہے ہیں وہ یہی ❖ کس طرح یہ زندگی ہوگی بسر عبد الرؤف
اور کیا دیں آپ کو اب ہم دعاؤں کے سوا ❖ ہو عطا بس آپ کو جنت میں گھر عبد الرؤف

صبر کر تابشؔ خدا کو بس یہی منظور تھا
آخرت کا کر گئے اب تو سفر عبد الرؤف

❍❖❍

وفیات:

اُستاذِ محترم حضرت الحاج قاری محمد صالح صاحب بھاگلپوریؒ

قاری نجیب الرحمٰن بھاگل پوری استاذ مدرسہ عربیہ فیض الاسلام بروالان مرادآباد

سرزمین ''کروڈیہہ'' بھاگلپور بہار کی معروف شخصیت حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ کے معتمد خاص اور خلیفہ اجل حضرت الحاج قاری محمد صالح صاحب ۵؍اگست ۲۰۱۶ء کو رات میں تقریباً ۱۰؍بج کر ۲۰؍منٹ پر ۹۴؍سال کی عمر میں اپنے رب حقیقی سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت کی ذات والا صفات بہت سی خوبیوں کی حامل اور تصوف اور روحانیت کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ حضرت کی سب سے بڑی خوبی تواضع اور انکساری تھی، آپ خدمت خلق سے کبھی گریز نہیں کرتے تھے۔ علاقہ کے مسلم اور غیر مسلم سب ہی حضرت سے تعلق رکھتے تھے، عاجزی اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ ہر ملنے والے کو اپنی ذات پر فوقیت دیتے تھے۔ حضرت قاری صاحب موصوف نے تقریباً ۹۴؍سال کی طویل عمر پائی، اور حسن عمل کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

حضرت قاری صاحب بڑے اولوالعزم اور باہمت تھے، ہم نے آپ کو اپنے کام میں مستعد، چاق وچوبند اور نوجوانوں سے زیادہ پختہ ارادہ والا پایا، قاری صاحبؒ موصوف حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے، حضرت شیخ الاسلام کی وفات کے بعد فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ سے رجوع فرمایا، اور حضرت ہی کی طرف سے خلافت واجازت سے نوازے گئے۔ خانوادۂ مدنی سے عشق کی حد تک تعلق تھا، بالخصوص حضرت اقدس مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ، حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ اور حضرت مولانا سید اسجد صاحب مدنی مدظلہ کا بڑا اکرام فرماتے تھے۔ ۱۹۶۴ء میں رمضان المبارک کے مہینہ میں حضرت فدائے ملتؒ نے شاہ جنگی بھاگلپور میں مع متعلقین قیام فرمایا تھا، اس کے انتظام میں بھی حضرت قاری صاحب نمایاں طور پر شریک تھے۔

آپ فدائے ملتؒ کے منظور نظر تھے؛ لیکن آپ نے اپنے آپ کو کبھی نمایاں ہونے نہیں دیا، اور زندگی بھر کسی کو بیعت بھی نہیں کیا۔ موصوف بلاشبہ ان مقدس نفوس میں سے تھے جنہیں دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے، تہجد وظائف اور معمولات کے نہایت پابند تھے، اور آخر شب میں تضرع وزاری کا معمول رہا، اور چہرے بشرے سے ذکر کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔ قاری صاحب اپنے شیخ حضرت فدائے ملت کے مشن اور جمعیۃ علماء ہند کے کاموں کو اوڑھنا بچھونا بنائے رکھتے تھے، آپ جمعیۃ علماء ضلع بھاگلپور کے نائب صدر تھے، پوری عمر جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی رکھی، اور اس کے پلیٹ فارم سے عظیم سماجی وملی خدمات انجام دیں، آپ کے شاگردوں کا پورے صوبے میں جال پھیلا ہوا ہے، جو انشاء اللہ موصوف کے لئے توشۂ آخرت اور رفع درجات کے باعث ہوں گے۔

احقر نے حضرت قاری صاحب سے قرآن کریم ناظرہ اور حفظ کی تکمیل کی، حضرت قاری صاحب نہایت مشفق اور مہربان استاذ تھے، احقر سے بڑی محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے، اور خوب دعاؤں سے نوازتے، غائبانہ بھی یاد رکھتے۔ حضرت قاری صاحب سے احقر کی آخری ملاقات ۲۹؍مئی ۲۰۱۶ء کو بعد نماز عصر ہوئی، بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی، بعدۂ خانوادۂ مدنی کے ہر فرد کی خیریت معلوم کی، اور فرمایا کہ سب سے میرا اسلام کہنا، اور میرے ایمان پر خاتمہ کی درخواست کرنا، اس وقت آپ کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالرقیب صاحب اور گھر کے دیگر سبھی افراد موجود تھے، احقر مصافحہ کر کے آنے لگا تو قاری صاحب بہت دیر تک روتے رہے، اور آخر میں فرمایا کہ جاؤ، خدا حافظ۔

آپ کی نماز جنازہ میں بڑی تعداد میں عوام وخواص نے شرکت فرمائی، جو عنداللہ مقبولیت کی علامت ہے، نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحب زادے مولانا مصلح الدین صاحب استاذ مدرسہ حسینیہ لال دروازہ جون پور نے پڑھائی۔

حضرت کے ۴؍صاحبزادے ۴؍صاحبزادیاں اور اہلیہ باحیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کی تمام دینی، قومی، ملی اور سماجی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔ ❐

جامعہ کے شب و روز

مہتمم جامعہ کے اسفار : ۱۳/۱۴/۱۵/جولائی ۲۰۱۶ء کو مولانا مسعود مدنی، حافظ مودود مدنی اور مولانا ازہد مدنی کے بچوں کے نکاح کی تقریبات میں شرکت کے لئے دیوبند تشریف لے گئے۔ ۲۰/جولائی کو مولوی بشار سلمہ کے نکاح میں شرکت کے لئے خانجہاں پور ضلع مظفرنگر تشریف لے گئے۔ ۱۷/اگست ۲۰۱۶ء کو امرتا ضلع رامپور تشریف لے گئے اور مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ ۲۰/اگست کو بیڑ مہاراشٹر تشریف لے گئے، جمعہ کی نماز پڑھائی بعدہٗ خطاب فرمایا اور بعد نماز عصر علماء کی خصوصی مجلس میں خطاب ہوا، جب کہ بعد نماز مغرب آزادئ ہند میں علماء کی قربانیوں سے متعلق بیان فرمایا۔

واردین وصادرین :- اس ماہ جامعہ میں درج ذیل مہمانانِ گرامی کی تشریف آوری ہوئی: حضرت مولانا اخلد رشیدی صاحب مدینہ منورہ، حضرت مولانا عبدالہادی صاحب رکن مجلس شوریٰ و عاملہ جامعہ، مولانا سید محمد نعیم صاحب خانجہانپور، جناب الحاج سید ضیاء الحق صاحب انگلینڈ، جناب الحاج فصیح صدیقی صاحب لکھنؤ مع برادران۔

وفیات: ماہِ رواں درج ذیل حضرات کے انتقال کی خبریں بھی موصول ہوئیں، جامعہ میں ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا، قارئین سے بھی ایصال ثواب کی اپیل ہے: والدہ مفتی اکرام اللہ صاحب شاہجہاں پور، اہلیہ محترمہ حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحبؒ سابق مہتمم جامعہ محمودیہ ہاپوڑ روڈ میرٹھ، مولانا عبدالحفیظ صاحب بستی، قاری محمد صالح صاحب کوروڈیہہ بھاگلپور، حاجی سید محمد متین صاحب اکبری گیٹ لکھنؤ، الحاج نذیر احمد صاحب محمد پور اعظم گڈھ، جناب حاجی خلیل احمد صاحب راجستھان، حبیبہ مرحومہ والدہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب اکبر پور ضلع بہرائچ، منشی عبدالرشید شیر کوٹ سابق تحویل دار جامعہ، ظریف احمد شیر کوٹ، والد حافظ محمد عثمان امکھیڑہ بجنور، انجم کمال دھامپور، محمد شاہد ملتانی دھامپور، ضمیر احمد دھامپور، والدہ محمد ناصر دھامپور ضلع بجنور، مولانا محمد داؤد سنہولی بھاگلپور، جناب ایم اے انصاری بینا جھابر کانپور، اہلیہ محمد اشراق نوگیاں قیصر گنج بہرائچ، محمد حلیم ڈھمرابانکا، ماسٹر محمد حبیب بانکا، سبط حسن، شریف احمد، قاضی عبدالحق کمال پور فتح آباد کندرکی ضلع مرادآباد، محمد مسلم تیجلہیڑہ، قاری ریاض احمد مہتمم مدرسہ کھیڑی ضلع مظفرنگر، مولانا رشید الدین خاں امبیڈکرنگر سابق مہتمم مدرسہ حسینیہ تاؤلی ضلع مظفرنگر، نواب احمد مملانہ روڈ شہر مظفرنگر، قاری شکیل احمد مہتمم مدرسہ بھگوان پور ضلع ہردوار، والدہ محمد عالم ٹھاکر گنج لکھنؤ، اہلیہ حاجی نورالحسن جعفرآباد جلالپور امبیڈکرنگر، تحیہ نظامی بلاقی پورہ کھیری باغ مئوناتھ بھنجن، حافظ عبدالستار والد مولانا محمد مسعود ندوی مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد سہارنپور، مصطفیٰ بیگ جامع مسجد مرادآباد، مہرالنساء کراچی خالہ جان اہلیہ جناب حاجی محمد فصیح صدیقی لکھنؤ، ساجدہ بانو مسلم نگر دھولیہ، حافظ یاسر عرفات دمن، حافظ محمد عمار ڈھرپور بھاگلپور، اشتیاق حسین سنڈیلہ، معشوق علی ملیاں، مقصود احمد ملیاں، اقرار حسین کھجونہ، بتولن فاطمہ سرائے گوری ضلع ہردوئی، حاجی راحت علی کرولہ مرادآباد۔